قطراظ کا قیدی

قطراظ کا قیدی





قارئین کی فرمائش پر بطورِ خاص۔ سدا بہار کردار عمران پر ایک دلچسپ تحریر۔ ایکسٹو کی ٹیم کے ایک نئے ممبر جاتر علی سے ملیے۔

عمران سیریز کا سنسنی خیز ناول



فیاض نے ایک طویل سانس لی اور میز پر رکھی ہوئی فائل سامنے سے ہٹا دی۔ یہ ایک ایسے شخص کی فائل تھی جو عرصۂ دراز سے پولیس کو مطلوب تھا۔ مجرم کا نام آنڈی لوچی تھا۔ ایک عرصہ پہلے اس نے دارالحکومت میں ایسے تہلکہ خیز جرائم کیے کہ ملک بھر میں سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ فیاض کے محکمے نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ وہ تھا بھی چھلاوا... ابھی ایک علاقے میں ہے تو کچھ دیر بعد اس کا نام شہر کے دوسرے کنارے سنا جاتا تھا اور جب پولیس وہاں پہنچتی تو وہ اپنی مجرمانہ کارروائیوں کا رُخ کسی اور علاقے کی طرف موڑ چکا ہوتا۔

فیاض کا آنڈی جیسے مجرم سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ظالم ایک مرتبہ بھی پولیس کے سامنے نہیں آیا۔ ہر طرف اس کا نام تھا لیکن لاکھ سر پٹخنے پر بھی اس کا وجود نہیں ملتا تھا۔ قانون کے لمبے ہاتھ بے بس ہو گئے تھے۔ رحمان صاحب جو عموماً ایسے موقعوں پہ سارا الزام فیاض کے سر ڈال دیا کرتے تھے، بار بار اسی کی ٹانگ لیتے رہے۔ ایک مرتبہ تو انھوں نے فیاض کو اس قدر لتاڑا کہ فیاض کے جی میں آیا کہ یا تو اپنا سر دیوار سے ٹکرا دے یا اس محکمے کو خیرباد کہہ دے۔ اس نے ان دنوں جتنی دعائیں بھی یاد تھیں، پڑھ ڈالیں لیکن آنڈی کا سراغ نہ مل سکا۔ اس روز اگر رحمان صاحب نے ایک مرتبہ بھی اسے محکمہ چھوڑنے کے لیے کہہ دیا ہوتا تو شاید وہ بلا سوچے سمجھے ہی استعفا دے دیتا۔ لیکن نہ جانے کیوں رحمان صاحب نے اُسے یہ دھمکی نہیں دی تاہم جب ڈانٹ ڈپٹ نے شدت اختیار کر لی تو خود فیاض ہی کے جی میں آیا کہ استعفا دے دے لیکن ہوا یوں کہ آنڈی کو اس پر رحم آ گیا۔ اس کی سرگرمیاں یکایک ختم ہو گئیں اور وہ یوں خاموش ہو گیا جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ تو فیاض کی جان میں جان آئی۔ وہ سمجھا کہ آنڈی خود ہی کہیں مر کھپ گیا ہے یا پھر اپنی تباہ کاریوں سمیت کسی اور ملک چلا گیا ہے۔ رحمان صاحب بھی خاموش ہو گئے۔

آج صبح ہی صبح نہ جانے کیوں فیاض نے آنڈی کی فائل نکلوائی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا تھا۔ جیسے جیسے وہ اس کی فائل پڑھتا جا[illegible] تھا اس[illegible] بگڑتے [illegible] ہوتے جا رہے تھے۔ آنڈی نے تاریخی نوعیت کے [illegible]

سکے تھے لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ سوائے اس کے نام کے، پولیس والوں کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا۔ آنڈی کے جرائم کا مکمل ریکارڈ اس کے سامنے تھا۔ ہر جرم پہلے جرم کے مقابلے میں، نہلے پہ دہلا تھا۔ جائے واردات پہ ایک ہی قسم کی انگلیوں کے نشانات پائے جاتے تھے۔ لہٰذا ازاں وہ جائے واردات پہ اپنا نام چھوڑنے لگا۔۔۔ اور یوں آنڈی لوجی کا نام پولیس والوں کے حواس پہ چھا گیا۔ لیکن لطف کی بات یہ تھی کہ آنڈی نامی مجرم کا دُور دُور پتہ نہ تھا۔

فیاض نے آنڈی کی فائل الگ رکھی تو اس کی پیشانی پسینے سے بھیگی ہوئی تھی، اس کے چہرے پر غور و فکر کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ اس نے دل ہی دل میں خُدا کا شکر ادا کیا کہ آنڈی از خود جہنم رسید ہو گیا ورنہ اس مرتبہ تو اس کی نوکری خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اس معاملے میں عمران صاحب بھی خیالی داڑھی پہ ہاتھ پھیر کر رہ گئے تھے اور اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے تھے۔

دارالحکومت میں اُن دنوں عملاً سکوت چھایا ہُوا تھا۔ ہلکے پھلکے جرائم کے علاوہ کوئی سنگین بات سامنے نہیں آئی تھی۔ ایسے میں فیاض کو سوائے لیڈی سیکریٹری بدلنے کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا۔ اور ان دنوں اس نے کیا بھی یہی۔ نئی لیڈی سیکریٹری کیتھ بڑی ہی حسین لڑکی تھی۔ دن بھر کیتھ سے باتیں کرنے، شام گزارنے کے پروگرام ترتیب دینا اور ان سے لُطف اندوز ہونے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ کیتھ ایک عیسائی لڑکی تھی لیکن اس کا رنگ سانولا نہیں تھا۔ اس کی رنگت دُودھیا تھی۔ فیاض کی نظر پڑتے ہی وہ گویا سیکریٹری کی کرسی سمیت اُس کے دل میں آ بیٹھی تھی۔

فیاض آنڈی کی فائل سے فارغ ہُوا تو اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ کیتھ پر پڑی، اس کے چہرے پر تازگی کی لہر دوڑ گئی۔ کیتھ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ "کیا ہو رہا ہے، جناب۔ پسینہ پسینہ ہوئے بیٹھے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔ ایک فائل دیکھ رہا تھا۔" فیاض مُسکرایا۔

"ایسی زبردست فائل۔" کیتھ حیرانی سے بولی۔

"ہاں کچھ تمہاری ہی طرح ناقابلِ فہم ہے۔" فیاض کے ہونٹوں پر قربان ہونے والی مسکراہٹ تھی۔

"آج شام کا کیا پروگرام ہے؟" کیتھ نے دریافت کیا۔

"میرا خیال ہے، آج کی شام ساحل پہ گزاری جائے۔"

"کیا شاعری کرنے کا ارادہ ہے؟"

"تم سراپا غزل ہو۔ تمہارے سامنے کیا خاک شاعری کروں گا۔ بس یوں سمجھو تمہارے ایک ایک مصرعے پہ سر دھنوں گا۔" فیاض شریر لہجے میں بولا۔

"جی نہیں غزلوں کا کیا ہے۔ ہر کوئی پڑھ سکتا ہے۔ اس سے غزل کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"میں سینہ بہ سینہ چلی آنے والی غزلیں پسند کرتا ہوں، ایسی غزل کے بول بھی پسند نہیں کرتا جسے دو ٹکے کا بھنگی کلرک یا نائی موچی بھی گنگناتے پھریں۔"

"آج بہت خوش معلوم ہوتے ہیں، خیریت تو ہے؟"

"ہاں فی الحال تو ہے۔ آگے اللہ جانے۔" فیاض نے مُسکرا کر جواب دیا لیکن اس کی مُسکراہٹ ہونٹوں پر ہی دم توڑ گئی کیونکہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے پوری قوت سے چیخ کر اُسے فضاؤں سے پولیس ہیڈکوارٹر کی سیٹ پر واپس پہنچا دیا تھا۔ "ایس۔ پی فیاض دِس سائیڈ۔" وہ ماؤتھ پیس میں غرایا۔

"میں دلشاد کالونی کا انچارج ہاشمی بول رہا ہوں، جناب۔" دوسری جانب سے مؤدبانہ لہجے میں کہا گیا۔

فیاض کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ غصے سے بل کھا کر چیخا۔ "کیا بات ہے۔ تم لوگوں کو میری مصروفیات کا بھی احساس نہیں رہا؟"

"سوری جناب۔ لیکن معاملہ انتہائی اہم ہے۔"

"اوہ۔ کیا بات ہے؟" فیاض کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہونے لگیں۔

"جناب۔ سر رحمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"وہاٹ۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" فیاض اچھل پڑا۔ اس نے بوکھلاہٹ میں ریسیور پٹخا اور آندھی کی طرح آفس سے نکل کر تقریباً بھاگتا ہُوا رحمان صاحب کے آفس میں پہنچا اور دھک سے اندر گھس گیا لیکن اگلے ہی لمحے اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

رحمان صاحب اپنی سیٹ پہ بیٹھے ایک فائل کا

مطالعہ کر رہے تھے۔ انھوں نے فیاض کی طرف حیرت سے دیکھا پھر اُن کی بھویں سکڑ گئیں۔ آنکھوں میں غصے کی جھلک پیدا ہو گئی۔ ”کیا تمھیں ڈسپلن کی بھی پروا نہیں رہی؟“ وہ غرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

”ج... جناب“، فیاض ہکلا کر رہ گیا۔

”شٹ اپ۔ واپس جاؤ اور باقاعدہ اجازت طلب کر کے اندر آؤ۔“

”یس سر، یس سر۔“ فیاض لٹو کی مانند گھوما اور دروازے میں جا کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی اور پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اس نے مودبانہ لیکن ہکلاتے ہوئے لہجے میں کہا: ”مے... آئی کم... ان... سر؟“

”کم اِن...“ رحمان صاحب غرائے۔ ”کہو کیا بات ہے؟“

”ج... جی... کچھ نہیں...“

”وہاٹ“ رحمان صاحب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ”کیا تم نشے میں ہو؟“

”ج... جی نہیں... میں تو یوں ہی آپ کی خیریت، جی ہاں، خیریت معلوم کرنے چلا آیا تھا۔“ فیاض پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔

”میں خیریت سے ہوں۔“ رحمان صاحب نے قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”یس سر۔“ فیاض بوکھلا کر بولا۔

”وہاٹ یس سر؟“

”مم... میرا مطلب ہے، جناب... آپ خیریت سے ہیں؟“

”تو اب جاتے کیوں نہیں۔ کیا لکھ کر دوں کہ میں خیریت سے ہوں؟“ رحمان صاحب غرائے پھر نہ جانے کیوں ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

فیاض نے ایڑیاں بجائیں اور سلیوٹ کرتا ہوا آفس سے باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ مارے ندامت کے وہ پسینے میں نہا گیا تھا۔ ٹانگوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ اپنے آفس تک پہنچتے پہنچتے اس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا اور پھر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور دلشاد کالونی کے پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جلد ہی دوسری طرف سے سلسلہ مل گیا۔ ”تم... گدھے کے بچے... تم نے ابھی کیا کہا تھا؟“ وہ سلسلہ ملتے ہی غرایا۔

”ج... جناب میں نے بالکل درست عرض کیا تھا۔“

”تو آفس میں کون بیٹھا ہے۔ کیا تمھارا...“ مارے غصے کے اس نے جملہ اُدھورا ہی چھوڑ دیا۔

”میں نے سر رحمان کا تذکرہ کیا تھا جناب۔ سائنسدان سر رحمان۔“

”اوہ۔“ فیاض کے ہونٹ سکڑ گئے۔ ”میں ابھی آ رہا ہوں۔“ اس نے ریسیور رکھ دیا اور کیتھ کی طرف متوجہ ہوا۔ جو حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیا بات ہے ڈیئر! کس کا فون تھا؟“

”کچھ نہیں۔ جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔“ فیاض کا لہجہ خاصا بھاری تھا۔

کیتھ حیرت سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ فیاض اس سے اس لہجے میں بھی بات کر سکتا ہے۔ وہ سراسیمگی کے عالم میں اٹھی اور دروازے کے قریب پہنچ کر فیاض کی طرف دیکھا پھر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی: ”شام کا کیا پروگرام ہے مائی ڈیئر؟“

”گیٹ آؤٹ۔“ فیاض حلق کے بل دھاڑا۔ کیتھ بے یقینی کے سے عالم میں آفس سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی فیاض دھپ سے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کی حالت کچھ ایسی تھی کہ اگر اُسے ذرا سا بھی چھیڑ دیا جاتا تو وہ خود اپنی ہی بوٹیاں نوچنا شروع کر دیتا۔

”نئی مصیبت۔“ وہ بڑبڑایا۔ ”اب تو یہ ملازمت سوہانِ روح ہوتی جا رہی ہے۔“ کسی معمولی آدمی کا قتل ہوتا تو وہ خس کم جہاں پاک کہہ کر منہ پھیر لیتا لیکن معاملہ ملک کے نامی گرامی سائنس دان کا تھا اور اس کی موت پوری قوم کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان کے مترادف تھی۔ فیاض کو معلوم تھا کہ سر رحمان ایک اہم ایجاد سامنے لانے کا اعلان کر چکے تھے۔ کچھ دیر تو وہ خاموش بیٹھا سوچتا رہا پھر اس کا ہاتھ فون کی طرف بڑھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ عمران کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

فوراً ہی دوسری طرف سے سلسلہ مل گیا۔

”کون بول رہا ہے۔“ وہ سلسلہ ملتے ہی بولا۔

”ہائیں... جو چاہے بولے... اپنا کھاتے ہیں۔ اپنا

فون ہے۔ میں نہیں تو اور کون بولے گا؟" دوسری طرف سے سلیمان کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

فیاض کی کھوپڑی بھک سے اُڑ گئی۔ وہ دانت بھینچ کر بولا "سلیمان کے بچے میں فیاض بول رہا ہوں۔ عمران کہاں ہے؟"

"اوہ۔ آپ ہیں کپتان صاحب" سلیمان بوکھلا گیا۔

"میں نے پوچھا تھا، عمران کہاں ہے؟" فیاض غرایا۔

"جی۔۔۔ جی وہ ٹائلٹ سوپ بنا رہے ہیں"

"کیا بک رہے ہو؟"

"جی میرا مطلب تھا کہ وہ ٹائلٹ میں ہیں۔ کیا ریسیور دے دُوں انھیں"

"حکومت۔ اس سے کہو کہ سر رحمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ فوراً میرے آفس پہنچے"

"کیا۔۔۔؟" دوسری طرف سے عمران کی آواز سنائی دی۔

"اوہ۔ یہ تم بول رہے ہو" فیاض مسکرا کر بولا "گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی تمہاری طرح بوکھلا گیا تھا۔ یہ سر رحمان ہمارے ملک کے سائنس دان ہیں۔ تم انھیں جانتے ہی ہو گے۔ ویسے یہ کیا حرکت تھی تم سلیمان کی آواز میں کیوں بول رہے تھے"

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس کیا بتاؤں یار کبھی کبھی تو جی چاہتا ہے کہ اللہ میاں مجھے سلیمان ہی بنا دے۔ بس مونگ کی دال پکائی اور عیش ہی عیش" عمران نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"تم آ رہے ہو یا میں تمھیں لینے آؤں"

"آ جاؤ یار۔ آج کل پیٹرول مہنگا ہو رہا ہے۔ سوچتا ہوں کہ دھکا لگوانے کے لیے کوئی پہلوان ملازم رکھ لوں"

"میں آ رہا ہوں" فیاض نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور کیپ سر پر جماتا ہوا آفس سے باہر نکل آیا۔

❁

رات بے انتہا سرد تھی۔ سیاہی اور کہر کے ملاپ نے رات کو گہری تاریکی کا روپ دے رکھا تھا۔۔۔ احمد نگر کا علاقہ سنسان تھا۔ کہیں کہیں دھندلی روشنی گویا اندھیرے کے سامنے بھیک مانگتی محسوس ہو رہی تھی۔

دارالحکومت سے بیس میل دور، یہ ایک نواحی قصبہ تھا۔ اس قصبے سے دو میل پرے ساحل تھا۔ دیگر ساحلی علاقوں کی طرح یہ بھی ماہی گیروں اور دیگر مزدوروں کی بستی تھی لیکن یہاں کاروباری لوگ بھی موجود تھے۔ ان کاروباری لوگوں میں جیگر بھی شامل تھا اور اس کی شخصیت پورے قصبے پر حاوی تھی۔ وہ ساحلی علاقے کا باشندہ ہی نہیں بلکہ اس قصبے کا بے تاج بادشاہ بھی تھا۔ بڑے بڑے ہٹے کٹے اس کا نام سن کر یوں دم سادھ لیتے تھے جیسے چوہا بلی کی موجودگی میں ساکت ہو جاتا ہے۔

احمد نگر میں اگر رونق تھی تو صرف بازار کے اس حصے میں جہاں بار، ہوٹل اور ایک خفیہ قمار خانہ تھا۔ ان قمار خانوں میں سے ایک جیگر کا بھی تھا۔ وہ اپنے بار کی آڑ میں قمار خانہ بھی چلا رہا تھا۔ سرِ شام ہی سارے علاقے کی رونق سمٹ کر یہاں سما جاتی تھی۔ جیگر بیشتر وقت کاؤنٹر پر کھڑے رہ کر گزارتا تھا۔ اس دوران میں اس کی نگاہیں آنے جانے والوں کو ٹٹولتی رہتی تھیں۔ اس کی آنکھیں خوفناک تھیں، جبڑے بھاری تھے اور ناک قدرے چپٹی تھی۔ ایک کان نصف سے زیادہ کٹا ہوا اور دائیں رخسار پر چاقو کا طویل گھاؤ تھا۔ جب کبھی وہ غصے میں ہوتا تو اس کی آواز پر بھیڑیے کے غرانے کا گمان گزرتا تھا۔ ایسے میں اس کا دایاں رخسار قدرے پھڑپھڑاتا۔۔۔ اور چاقو کے زخم کا وہ نشان دھیرے دھیرے سرکنے لگتا تھا جس سے اس کی صورت پہلے سے بھی بھیانک ہو جاتی تھی۔ جیگر ایک دیسی عیسائی تھا۔ پورے علاقے میں دھاک بٹھانے کے باوجود وہ باقاعدگی سے پولیس اسٹیشن جاتا تھا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ وہ انچارج سے کچھ اس عقیدت سے ملتا جیسے وہ کسی پہنچے ہوئے بزرگ کا مجاور رہا ہو۔ اور اس کے لیے پولیس اسٹیشن کسی مزار کی سی حیثیت رکھتا ہو۔ جہاں وہ بلاناغہ چراغ جلانے آتا ہو۔ شاید یہی وجہ تھی کہ پولیس کو اس سے کبھی شکایت نہیں ہوتی تھی۔ اور علاقے میں جیگر ہی وہ واحد آدمی تھا جسے پولیس نے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔

حاتم علی ان دنوں ساحلی علاقے میں دیکھا جا رہا تھا۔ وہ کسی سرکاری ڈیوٹی پر تو متعین نہیں تھا لیکن

کسی خاص ہی چکر میں تھا کیوں کہ اس کے حلیے میں خاصی تبدیلی دکھائی دیتی تھی۔ صورت سے وہ کوئی انتہائی اوباش قسم کا نوجوان لگتا تھا۔ اس کے رُخسار قدرے متورّم تھے۔ آنکھیں سُرخ سُرخ گویا اُن سے خون ٹپکنے ہی والا ہو۔ پہلی نگاہ میں وہ اوّل درجے کا نشے باز اور بگڑے ہوئے ذہن کا شخص دکھائی دیتا تھا۔ دوسرے ساحلی غنڈوں کی طرح وہ بھی آدھی آستینوں کی بنیان اور نیلی پتلون پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بائیں کان میں چھوٹا سا سُنہرا چھلا تھا۔ گلے میں زرد رُومال اور کمر پر چوڑی بیلٹ لپٹی رہتی تھی۔ بنیان کی وجہ سے اس کے بازوؤں کی مچھلیاں دُور ہی سے پھڑکتی محسوس ہوتی تھیں۔ اُسے ساحلی علاقے میں آتے تین روز ہو گئے تھے۔ وہ بلاناغہ سرِشام ہی وہاں دکھائی دینے لگا تھا۔ بات بات پہ نگاہ رکھنے والے اُسے نگاہوں ہی نگاہوں میں تو تولتے لیکن مُنہ سے کچھ نہ بولتے تھے۔ کیونکہ حاتم نے ابھی کسی سے گفتگو نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے جیگر کے بار میں آتا اور رات گئے تک ایک کونے میں بیٹھا خلا میں کسی انجانے نکتے پر نگاہ جمائے گھورتا رہتا تھا... ویٹر کئی مرتبہ اس کی طرف چکر لگاتا لیکن اس نے گزشتہ تین روز سے کسی چیز کا آرڈر نہیں دیا تھا۔ ویٹر کو آرڈر سے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ وہ اس وقت خوشی سے جھوم اُٹھتا جب حاتم علی اُسے ایک بڑا سا نوٹ بطور ٹپ دے کر رخصت ہو جاتا تھا۔

جیگر اپنی خونی نگاہوں سے کئی بار اُس کی طرف گھور چکا تھا لیکن ابھی تک وہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ کئی بار اس نے اپنے آدمیوں کو اس کی نگرانی پر بھی مقرر کیا لیکن حاتم علی بار سے نکل کر کچھ دُور تو چلتا دکھائی دیتا پھر یوں غائب ہو جاتا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

جیگر کے قمار خانے میں جُوا ہوتا تھا لیکن کہاں؟ یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔

حاتم علی نے سگریٹ سُلگائی اور تفکّر آمیز انداز میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا بار کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اچانک ہی نہ جانے کدھر سے نکل کر بار کے سامنے والی سڑک پر آ گیا تھا۔ اس کے چلنے کے انداز سے ہلکی سی لاپروائی بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ بار میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک نظر دروازے پر چمکتے ہوئے نیون سائن کو دیکھا جس میں رنگا رنگ روشنیاں بہہ رہی تھیں۔ اندر قدم رکھتے ہی وہ کسی سے ٹکرایا۔ ٹکرانے والا شخص غرّا کر پلٹ پڑا۔ "کیا اندھے ہو۔ دیکھ کر نہیں چلا جاتا؟"

حاتم نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں یک لخت خوفناک چمک پیدا ہو گئی اور نتھنوں میں مزید کشادگی آ گئی۔ جس کی وجہ سے اس کا بالائی لب قدرے اُٹھ گیا اور نوکیلے دانت دکھائی دینے لگے۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ مقابل خاصے تن و توش والا ایک مقامی غنڈہ تھا۔ "تم نے مجھ سے کچھ کہا، نوجوان؟" اس نے سفاک لہجے میں پوچھا۔

"میں اپنی بات دُہرانے کا عادی نہیں ہوں۔" غنڈے کا لہجہ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

"ہُوں..." حاتم علی نے ہنکارا بھرا اور ایک قدم پیچھے ہٹا لیکن اگلے ہی لمحے وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور پوری قوت سے گھونسہ مقابل کے جبڑے پر مارا۔ ہاتھ اتنا جچا تلا تھا کہ غنڈہ فرش سے بلند ہو کر اُلٹ گیا اور کئی فٹ دُور جا گرا۔ اُس کے مُنہ سے خون بہہ نکلا۔ شاید دو ایک دانت بھی ٹوٹ گئے تھے۔ ہونٹ پھٹ گئے اور خون کی باریک سی لکیر اس کی ٹھوڑی سے بہہ کر گلے تک آ گئی۔

وہ سنبھل کر اُٹھا اور طوفانی رفتار سے آگے بڑھا لیکن اس مرتبہ وہ اُڑتا ہُوا ایک میز پہ جا پڑا۔ حاتم نے پوری قوت سے اس کے پیٹ میں گھونسہ جما دیا تھا۔ اس مرتبہ ہاتھ کچھ ایسا زوردار تھا کہ غنڈہ کوشش کے باوجود اپنے پیروں پہ کھڑا نہ ہو سکا۔ حاتم نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر بے نیازی سے کندھے جھٹک کر اسی کونے کی طرف بڑھ گیا جہاں بیٹھنا اس کا معمول بن گیا تھا۔ کاؤنٹر پہ جیگر موجود تھا۔ اس نے اپنی خونی آنکھوں سے حاتم کی طرف دیکھا۔ اس کی بھویں تن گئیں لیکن اس نے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی۔ بار کے ملازمین نے بھی اسے خاموش دیکھ کر کسی قسم کی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس قسم کے چھوٹے موٹے جھگڑے تو بار میں ہوتے ہی رہتے تھے۔ لیکن حاتم علی

نے جس غنڈے کو صرف دو ہاتھوں میں چت کر دیا تھا، وہ کوئی معمولی غنڈہ نہیں تھا۔۔۔۔ اُسے جیگر کا دایاں بازو کہا جاتا تھا۔ ایسے میں جیگر کی خاموشی حیرت انگیز تھی۔

حاتم جیسے ہی میز پر بیٹھا، ویٹر جلدی سے اس کے قریب آ گیا۔ ”کیا لاؤں جناب؟“

”وہسکی۔“ حاتم علی نے سخت لہجے میں کہا۔

ویٹر خاموشی سے چلا گیا۔ حاتم نے نیا سگریٹ سلگایا اور دھوئیں کے مرغولے اڑانے لگا۔ جلد ہی وہسکی کی بوتل اس کی میز پر پہنچ گئی۔ اس نے جیب ٹٹول کر ایک چھوٹی سی پڑیا نکالی۔ اور پھر سب کی نظر بچا کر اس نے وہ گولی منہ میں ڈال لی جو کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے بوتل اٹھائی اور منہ سے لگا لی۔ غٹاغٹ پوری بوتل حلق میں انڈیل کر اس نے ایک طویل سانس لی اور بوتل میز پر پٹخ دی۔ ویٹر جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا، حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”دوسری لاؤ۔“ حاتم نے غرا کر آرڈر دیا۔

ویٹر لپکتا ہوا گیا اور دوسری بوتل لے آیا۔

اس بوتل کو حلق میں انڈیلنے میں بھی چند منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگا۔

”تیسری بوتل لاؤ۔“ حاتم علی کا لہجہ بے حد خونخوار ہو گیا۔

ویٹر نے پلکیں جھپکائیں پھر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ حاتم نے کن انکھیوں سے ویٹر کو دیکھا۔ وہ جیگر سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے جیگر کو اپنی طرف متوجہ پایا۔ اس نے لاپروائی سے کندھے جھٹکے اور نیا سگریٹ سلگانے لگا۔ بار میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگ چرس اور گانجے سے بھی شوق فرما رہے تھے۔ چرس کی بو پھیلی ہوئی تھی لیکن اس ناگوار فضا میں حاتم علی کچھ اس طرح بیٹھا تھا جیسے وہ انہی فضاؤں میں پل کر جوان ہوا ہو۔ ایسے ماحول میں بیٹھنا اس کے لیے دشوار تھا لیکن وہ اپنی بے پناہ قوت ارادی کے بل بوتے پر خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔

ویٹر تیسری بوتل لے آیا۔ بوتل رکھ کر وہ اس کے قریب کھڑا رہا۔ شاید وہ منتظر تھا کہ حاتم علی تیسری بوتل کو بھی پہلے کی طرح حلق میں انڈیل لے گا۔ اب وہ یوں بیٹھا چھت کو گھور رہا تھا، جیسے اُسے یہ احساس ہی نہ ہو کہ اس پاس کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں۔۔۔

اس نے تیسری بوتل کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ سگریٹ کا جلتا ہوا سرا جب اس کی انگلیوں کو جلانے لگا تو وہ چونک پڑا۔ اس نے سگریٹ پھینک کر مسل دیا اور اٹھ کر ٹائلٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائلٹ تک پہنچتے پہنچتے اس نے بار میں موجود ایک ایک شخص کا جائزہ لے لیا۔ آخر میں اس میز کی طرف بھی دیکھا جہاں وہ غنڈہ بے ہوش ہو کر گرا تھا۔ وہ میز خالی تھی یعنی اسے اٹھا لیا گیا تھا۔ حاتم خاموشی سے باتھ روم میں گھس گیا اور دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی پھر حلق میں انگلی ڈال کر وہی سفید رنگ کی گولی نکال لی جسے اس نے سب کی نظر بچا کر منہ میں رکھ لیا تھا۔ پھر اس نے زبان کے دونوں پہلوؤں سے پلاسٹک کی دو پتلی ڈوریاں کھینچ لیں۔ آئینے میں دیکھا اور پھر بیسن پر جھک کر ایک شدید جھٹکے سے ڈوریوں کو کھینچ لیا۔ اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے شراب کا فوارہ بہہ نکلا۔

وہ بیسن پر جھکا رہا، شراب نکلتی رہی۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک مرتبہ کھانس کر گلا صاف کیا اور ڈوریوں کو منہ سے کھینچ لیا۔ ڈوری کے سروں سے دو تھیلیاں بندھی ہوئی تھیں۔۔۔ شراب کی دونوں بوتلوں کا سیال انہی تھیلیوں میں جمع ہو گیا تھا۔ اس نے بیسن پر لگے ہوئے نل کو کھول دیا۔ سرسراتا ہوا پانی شراب کو بہا لے گیا۔ حاتم نے ان تھیلیوں کو دھو کر دوبارہ منہ میں ڈال لیا پھر گولی بھی منہ میں رکھ لی۔ اس گولی کی وجہ سے اسے شراب کی تلخی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

ایک نظر آئینے میں دیکھا اور آنکھوں میں بڑھتی ہوئی سرخی کو دیکھ کر مسکرا دیا جو اس کے ہلکے سے اٹھے ہوئے بالائی ہونٹ کی وجہ سے بڑی ہی بھیانک دکھائی دیتی تھی۔ ٹائلٹ سے نکل کر وہ دوبارہ اپنی میز پر آ بیٹھا۔

دو بجے کے قریب بار خالی ہوتے ہوتے بالکل ہی ویران ہو گیا لیکن حاتم علی اپنی جگہ ساکت بیٹھا چھت پر کسی انجانے نقطے کو گھورتا رہا۔ اس نے کن انکھیوں سے جیگر کی طرف دیکھا۔ وہ کاؤنٹر پر اپنے کام میں مصروف تھا۔ حاتم علی نے اچٹتی ہوئی نگاہ بار میں ڈالی

اور اس کی باریک تلوار مار کہ مونچھیں مسکراہٹ سے تھرکنے لگیں۔ بار میں اس وقت وہ تنہا ہی تھا لیکن اس کے بیٹھنے کے انداز سے پتہ چلتا تھا جیسے آج رات بھر وہیں بیٹھنے کا ارادہ لے کر آیا ہو۔

ٹائلٹ سے واپسی پر اس نے تیسری بوتل بھی حلق میں انڈیل لی تھی اور پھر چوتھی بوتل منگوا کر اُسے بھی پی گیا تھا۔ ویٹر کا مارے بوکھلاہٹ کے بُرا حال تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی اتنے بڑے بیکر کے بارے میں نہیں سُنا تھا۔ لیکن جب حاتم علی نے ایک مرتبہ پھر ٹائلٹ کا چکر لگایا اور تھیلیاں خالی کر کے پانچویں بوتل کا آرڈر دیا تو اُسے یقین ہو گیا کہ شراب اس نوجوان پر کوئی اثر نہیں کرتی۔ اور ممکن ہے، اس کے لیے پانی کی سی حیثیت رکھتی ہو۔ یہی حشر چھٹی بوتل کا بھی ہوا۔

ڈھائی بجے ویٹر نے مزید شراب دینے سے انکار کر کے بار بند ہونے کا اعلان کر دیا۔ حاتم علی کے حلق سے بھیڑیئے کی سی غرّاہٹ نکلی۔ اس نے لاپرواہی سے کندھے جھٹک کر ویٹر سے کہا "ٹھیک ہے، میں ابھی کچھ دیر اور بیٹھوں گا۔"

"مجبوری ہے، جناب!" ویٹر نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"جاؤ۔۔۔ چلے جاؤ، یہاں سے" حاتم علی نے ہاتھ اُٹھا کر سفاک لہجے میں حکم دیا۔

بار خالی تھا اور جیگر حساب کتاب سے فارغ ہو گیا تھا اس لیے وہ اُن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کچھ دیر وہ حاتم کو گھورتا رہا پھر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ ویٹر نے جیگر کو قریب آتے دیکھا تو دم دبا کر چلا گیا۔ جیگر نے گہری توجہ سے حاتم علی کو دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ دوڑ گئی۔۔۔

یہ سفاک مسکراہٹ جیگر کے ہونٹوں پر بیدار ہوتے ہی اس کی شخصیت انتہائی خطرناک ہو جاتی تھی اور اس مسکراہٹ کے سامنے آج تک کسی نے دم نہیں مارا تھا لیکن حاتم کو شاید یہ احساس ہی نہیں تھا کہ اس کے قریب کوئی کھڑا ہے۔ ویٹر کے ہٹتے ہی جیگر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "بار بند ہو گیا ہے نوجوان" جیگر کی آواز سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔

"کون ہے" حاتم علی غرّا کر پلٹا اور پھر جیسے ہی اس کی نگاہیں جیگر کی نگاہوں سے ملیں وہ تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو یوں گھورنے لگے جیسے ان کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں پیوست ہو گئی ہوں۔

❖

فیاض غصّے میں کھولتا اور دانت پیستا ہوا عمران کے فلیٹ کی سیڑھیاں اُتر کر نیچے آیا۔ اس کی حالت دیدنی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ خود اپنی ہی بوٹیاں نوچنے کا ارادہ کر رہا ہو۔ وہ آفس سے سیدھا عمران کے فلیٹ پہنچا تھا۔ عمران سے کچھ دیر پہلے فون پر ہی طے ہوا تھا کہ وہ اُسے ساتھ لیتا جائے۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو سلیمان نے عجیب ہی بات سُنائی کہ عمران گزشتہ چار دنوں سے غائب ہے۔ فیاض بھنا گیا۔ یقیناً عمران اُسے چکمہ دے کر رفو چکر ہو گیا تھا۔ ایک خیال نے فیاض کو فوراً ہی چونکنے پہ مجبور کر دیا۔ سلیمان سے اس کی گفتگو دروازے پر ہوئی تھی اور وہ وہیں سے واپس آ گیا تھا۔ اُسے خیال آیا کہ کہیں عمران گھر میں تو نہیں چھپا بیٹھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ دوبارہ سیڑھیاں چڑھ کر فلیٹ کی تلاشی کا ارادہ کرتا، ایک اجنبی آواز نے اُسے چونکنے پہ مجبور کر دیا۔

"صاحب، صبح سے بھوکا ہوں سو دو سو روپے دے دیجئے آپ کا بھلا ہو گا۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سامنے ایک خوبصورت نوجوان کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر نفیس سُوٹ تھا۔ قمیص سفید رنگ کی اور اُسی وقت ڈرائی کلینر کے ہاں سے آئی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ نیلے سُوٹ کی مناسبت سے ٹائی بھی نیلی ہی تھی اور انتہائی قیمتی تھی۔ "کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟" فیاض حیرت سے بولا۔

"میں ایک گریجویٹ ہوں، جناب" نوجوان نے سنجیدگی سے جواب دیا "اور جو کچھ چاہتا ہوں، وہ میں آپ کے گوش گزار کر چکا ہوں۔"

"ہوں۔ اتنے ہٹے کٹے ہو کر تمہیں بھیک مانگتے ہوئے شرم آنی چاہیئے" فیاض غرّایا۔

"دو ہی صورتیں ہیں، جناب" نوجوان انتہائی مؤدب لہجے میں بولا۔ "یا تو میں بھوک برداشت کر لوں یا پھر بے شرم

"جس وقت ہم یہاں آئے تھے۔ ۔ ۔ تو انھیں بے ہوش پایا تھا۔ کچھ دیر پہلے انھیں اسپتال پہنچا دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ دو گھنٹوں تک ہوش میں آ جائیں گی۔"

"بے ہوشی کی وجہ؟"

"ذہنی صدمہ۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے، جاؤ، دیکھو ٹیکنیکل اسٹاف آگیا یا نہیں۔" فیاض نے کہا اور پھر عمران کی طرف متوجہ ہو گیا جو انہماک سے لاش کا معائنہ کر رہا تھا۔ دس منٹ تک وہ لاش کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر فیاض کے قریب آیا اور بولا "میرا خیال ہے اب مغربی ممالک کو شرم و حیا ایکسپورٹ کرنا شروع کر دوں۔"

"کیا مطلب۔" فیاض چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا "کیا تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں، حلق میں خراش ہے۔"

"میں کہتا ہوں تم ڈھنگ کی بات کیوں نہیں کرتے۔"

"ہائیں۔ کیوں مرحوم کی روح کو تڑپانے کا ارادہ ہے۔ پیارے! کہو تو لکھ کر دے دوں کہ سر رحمان زندہ ہیں۔ ۔ ۔" عمران نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

"کیا بکتے ہو۔" فیاض اچھل پڑا۔ "تمھارا مطلب ہے یہ صرف بیہوش ہیں۔"

"نہیں۔ ۔ ۔ اس وقت تو مُردہ ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ ۔ ۔ بڑے ہی بے حیا ہو۔" فیاض نے جھینپ کر کہا اور فنگر پرنٹس کے عملے کی طرف دیکھنے لگا، جو کمرے میں آ گیا تھا۔

عمران ایک طرف لاتعلق کھڑا ہو گیا۔ فیاض ٹیکنیکل اسٹاف کو ہدایت دینے لگا۔ وہ کن انکھیوں سے عمران کی طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ وہ سر رحمان جیسی اہم شخصیت کی موت سے بھی متاثر نہیں ہوا اور بے پر کی اڑانے میں مصروف ہے۔ اسے یاد آ گیا کہ لاش کو دیکھتے ہی عمران بری طرح چونک پڑا تھا۔ وہ الجھن میں پڑ گیا کہ عمران لاش کو دیکھ کر کیوں چونکا تھا۔

"اچھا سوپر، اب مجھے اجازت دو۔ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دینا اور ہاں اگر ممکن ہو سکے تو فنگر پرنٹس وغیرہ کی رپورٹ مجھے بھی دکھا دینا۔"

"میرا خیال تھا کہ تم کچھ دیر اور رکو گے۔" فیاض نے دھیمے لہجے میں استدعا کی لیکن عمران دارالحکومت کے محکمۂ موسمیات کی کارکردگی پر تنقید کرنے لگا تو مجبوراً اُسے خود ہی عمران کو گیٹ تک چھوڑنے جانا پڑا۔

سر رحمان کی کوٹھی سے نکلتے ہی عمران نے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا اس ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا جسے اس نے ہاتھ کے اشارے سے روکا تھا۔ ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھ کر اس نے چیونگم کا پیکٹ نکالا اور تین پیس منہ میں ڈال کر دھیرے دھیرے چبانے لگا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سر رحمان جیسی اہم شخصیت کا یوں ایک مر جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ٹیکسی تیزی سے دارالحکومت کی طرف دوڑ رہی تھی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ سب سے پہلے دکھائی دینے والے پبلک فون بوتھ پر پڑی، اس نے ٹیکسی رکوائی اور اتر کر سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ جب ٹیکسی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو وہ تیزی سے بوتھ میں داخل ہوا۔ مشین میں سکے گرائے اور صفدر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جلد ہی سلسلہ مل گیا۔ دوسری طرف صفدر ہی تھا۔

"ایکسٹو۔ ۔ ۔" عمران نے مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یس سر۔ صفدر ایٹ یور سروس۔" صفدر کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

"فوراً آسانستان سر رحمان کی کوٹھی پہنچو۔ ان کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے جانے والی ہے۔ لاش کی نگرانی کرو۔ خیال رہے، لاش ایک لمحے کے لیے بھی تمھاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے، یہاں تک کہ آپریشن تھیٹر میں بھی موجود رہنا ضروری ہے۔ پوسٹ مارٹم تمھاری نگاہوں کے سامنے ہونا چاہیے۔ لائن آف ایکشن تم اپنی مرضی سے طے کر لینا۔ مجھے تمھاری صلاحیتوں پر اعتماد ہے۔"

صفدر شاید کوئی سوال کرنا چاہتا تھا لیکن عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا اور بوتھ سے باہر نکل آیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک خالی ٹیکسی کو روک رہا تھا۔



"بار بند ہو چکی ہے۔" جیگر نے ایک بار پھر اپنا جملہ

دُہرایا۔ اس مرتبہ اس کی آواز اس قدر بلند تھی کہ پورے بار میں گونجتی محسوس ہونے لگی۔

"یہ اطلاع مجھے پہلے بھی مل چکی ہے۔" حاتم نے لاپروائی سے کندھے جھٹکے اور دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"بار بند ہو چکا ہے۔" جیگر پاؤں پٹخ کر دھاڑا اور میز پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھک گیا۔ دونوں کی آنکھوں میں خون کی سرخی تیر رہی تھی۔ بھوکے درندوں کی طرح ان کی نگاہیں ایک دوسرے پر جمی ہوئی تھیں۔ جیگر کی آنکھوں سے شرارے اُبل رہے تھے۔ آنکھیں خون کے لوتھڑوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے لہجے کا بھاری پن اب نقطۂ عروج پر تھا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کچھ دیر اور بیٹھنا چاہتا ہوں۔" حاتم نے اس مرتبہ پرسکون لہجے میں کہا۔ اس کے انداز سے اس وقت بھی لاپروائی عیاں تھی۔

"سنو... نوجوان... شاید تم نے جیگر کا نام نہیں سُنا۔" جیگر بل کھا کر غرّایا۔

"اگر ایسا ہے تو پہلے اُسے ہی بُلا لاؤ۔" حاتم نے جھلا کر جواب دیا۔

"میرا نام جیگر ہے۔ میں اس بار کا مالک ہی نہیں پورے علاقے کا بے تاج بادشاہ بھی ہوں، سمجھے۔" جیگر نے تیز لہجے میں کہا۔

"اچھا..." حاتم علی نے مضحکہ خیز انداز میں پلکیں جھپکا کر کہا۔ "اگر تم اس علاقے کے بادشاہ ہو تو میں اپنے من کا بادشاہ ہوں اور تم جانتے ہو گے کہ من کے بادشاہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ جاؤ، اس عمر میں تمہیں آرام کرنا چاہیئے۔"

"بہت خوب۔ شاید تم ان دو گھونسوں پر اترا رہے ہو جو تم نے لوٹی کو مارے تھے۔" جیگر نے سفاک لہجے میں کہا۔ یکایک اس کا ہاتھ بڑھا اور اس نے گریبان پکڑ کر پھرتی سے جھٹکا دیا۔ حاتم کی ناک پر ایک زبردست گھونسہ پڑا۔ اس کی طبیعت صاف ہو گئی۔ اس نے اپنی زندگی میں شاید ہی کبھی اس قسم کا ہاتھ دیکھا ہو گا۔ اسے یوں محسوس ہوا، جیسے آنکھوں میں کہکشاں اُتر آئی ہو۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس نے تڑپ کر گریبان چھڑایا، ٹانگ میں پھنسا کر کرسی کو دھکیلا تو کرسی اُڑتی ہوئی، دیوار گیر شیشے پر پڑی جو چکنا چور ہو گیا۔ پھر اس نے میز بھی الٹ دی۔ اب دونوں ایک دوسرے کے سامنے زخمی بھینسوں کی طرح کھڑے ہانپ رہے تھے۔ حاتم آندھی کے جھونکے کی طرح آگے بڑھا۔ اس سے قبل کہ جیگر اس کے ارادے سے آگاہ ہوتا اُس نے خود کو فرش پر گرا دیا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی ٹانگیں اٹھیں اور جیگر ہوا میں اڑتا ہوا دُور جا گرا۔ حاتم نے پوری قوت سے ایک ٹھوکر اس کے پیٹ میں ماری تھی۔ جیگر کے مُنہ سے ایک کربناک چیخ نکلی۔ بار کے کئی غنڈے اُن کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ اور بار کا ہال چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ سے گونج اُٹھا۔ بیک وقت بیس کے لگ بھگ چاقو کھل گئے تھے۔ حاتم اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک غنڈہ چاقو لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے چاقو سے حاتم پر وار کیا۔ حاتم نے اس کا اُٹھا ہوا ہاتھ روکا اور پھر بائیں ہاتھ سے اس کے پیٹ میں شدید ضرب لگائی۔ وہ جھک گیا۔ اسی لمحے حاتم نے چاقو والے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ بار میں ایک دلدوز چیخ سنائی دی۔ چاقو اس غنڈے کے پیٹ میں گہرا اُتر گیا تھا۔ وہ چیختا ہوا پلٹا۔ پلٹتے پلٹتے بھی اس کے جبڑے پر ایک چٹانی گھونسہ پڑا اور وہ پیٹھ کے بل فرش پر آ رہا۔ چاقو اس وقت اس کی توند میں پیوست تھا اور وہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس دوران دو غنڈے آگے بڑھے انہوں نے دائیں بائیں سے حاتم پر حملہ کیا لیکن حاتم وہاں کہاں تھا۔ وہ تڑپ کر اُن کے درمیان سے ہٹ گیا تھا۔ دونوں جھونک میں آگے بڑھے اور ان کے چاقو ایک دوسرے کے کندھے میں اُتر گئے۔ دونوں بُری طرح چیخے۔ اس وقت تک جیگر سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک نظر فرش پر گرے ہوئے شخص کی طرف دیکھا جس کے پیٹ میں چاقو پیوست تھا۔ وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا۔ پھر وہ ان غنڈوں کی طرف متوجہ ہوا جو فرش پر جھکے کراہ رہے تھے۔ اچانک اس کی نگاہ ان چاروں آدمیوں پر پڑی جو چاقو لہراتے ہوئے حاتم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حاتم ان کے درمیان پلکیں جھپکائے بغیر ساکت کھڑا تھا۔

"رُک جاؤ۔۔" جیگر کی دھاڑ سنائی دی۔
چاروں چونک کر رُک گئے۔ ساتھ ہی حاتم کا فلک شگاف قہقہہ گونج اٹھا۔
"آنے دو۔ کسی کو مت روکو۔ آج بہت دنوں بعد میدان گرم ہوا ہے۔"
"شٹ اپ۔" جیگر پلٹ کر غرایا۔
"اور تم۔" حاتم نے اس کے سینے کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ "بڑے میاں جاؤ اور جا کر مزید بچوں کو جمع کرنے کی کوشش کرو۔ ہنری طوفان ہے اور طوفانوں سے ٹکرانا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔"
"واوہ۔" جیگر کے بھدے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "واقعی تم بہادر ہو۔" وہ بغیر محسوس انداز میں حاتم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ اچھلا اور اڑتا ہوا حاتم کی طرف آیا۔ حاتم نے پھرتی سے رُخ بدلا اور پھر جیگر کے جبڑے پر بڑا ہی جچا تلا ہاتھ پڑا۔ دھپ کی آواز سنائی دی۔ وہ فرش پر گرا۔ لیکن سنبھلنے سے پہلے ہی اس کی کنپٹی پر ایک زوردار ٹھوکر پڑی۔ وہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ حاتم نے آگے بڑھ کر مزید ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں جمائی۔ جیگر چیخا لیکن اگلے ہی لمحے وہ کسی طاقتور اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے منہ سے جھاگ اُڑنے لگے تھے۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔
یکایک ایک شعلہ سا لپکا۔ حاتم کو شاید اس سے اس قدر پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ وہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے ہی والا تھا کہ اس کی کنپٹی پر گھونسہ پڑا۔ وہ دائیں طرف لڑکھڑایا لیکن جلد ہی سنبھل گیا۔ اس کے باوجود اُسے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ جیگر نے پوری قوت سے اس کی پشت پر ٹھوکر ماری تھی۔
حاتم نے ہاتھ پھیلائے اور خود کو میز سے ٹکرانے سے بچانے کی کوشش کی۔ وہ اس کوشش میں بس اسی قدر کامیاب ہو سکا کہ پشت کے بل میز سے ٹیک لگا لی۔
جیگر نے اپنے بدن کو تولا اور عقاب کی طرح اس پر جھپٹا۔ حاتم نے اس مرتبہ بڑی پھرتی دکھائی۔ جیسے ہی جیگر اس پر جھپٹا، وہ ایک طرف ہو گیا۔ جیگر منہ کے بل میز سے ٹکرایا اور پھر اٹھنے سے قبل ہی اس نے اپنی پشت پر ایک چٹان سی سوار محسوس کی۔ حاتم نے پشت کی طرف سے باہیں ڈال کر اُسے جکڑ لیا تھا۔
جیگر کسی گینڈے کی طرح طاقتور تھا۔ اس نے گرفت سے نکلنے کی لاکھ کوشش کی۔۔۔ لیکن حاتم کی باہیں شکنجے کی طرح اس کو جکڑے ہوئے تھیں۔ وہ ہانپ کر رہ گیا۔ حاتم نے ایک زبردست جھٹکا دیا اور اس کا ایک ہاتھ جیگر کی گردن پر جم گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے پوری قوت لگا کر جیگر کی گردن کو جھٹکا دیا۔ جیگر کی ناک میز سے ٹکرائی۔ اس کے حلق سے کراہ نکلی۔ انتہائی طاقت صرف کرنے کے باوجود وہ اس کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکا۔ حاتم نے دوسری مرتبہ جھٹکا دیا۔ اس دفعہ جیگر کی پیشانی میز کے کنارے پر لگی۔ جھٹکا اس قدر شدید تھا کہ پیشانی اُدھڑ گئی۔ خون اس کی آنکھوں تک آ گیا۔ شاید خون کو محسوس کرتے ہی اس پر دیوانگی سوار ہو گئی تھی۔ وہ زخمی بھینسے کی طرح ڈکرایا۔ دونوں ٹانگیں زمین پر ٹکا کر اس نے پوری قوت سے حاتم کو اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ اُسے اٹھانے میں تو کامیاب نہ ہو سکا البتہ حاتم کا ہاتھ اس کی گردن سے پھسل کر ہٹ گیا۔ ہاتھ ہٹتے ہی جیگر نے کروٹ لی۔ حاتم اس کی پشت سے پھسل کر دُور جا گرا۔ جیگر چیتے کی سی پھرتی سے اس کی طرف لپکا۔ لیکن وہ حاتم کو گرفت میں نہ لے سکا۔ وہ چکنی مچھلی کی طرح اس کے نیچے سے پھسل کر الگ دُور جا پڑا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
"اٹھو بڑے میاں۔ مجھے تمہاری پسلیوں سے ہمدردی ہے۔" حاتم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تمہیں قبر میں چند پسلیوں کے بغیر ہی جانا پڑے۔"
جیگر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے حاتم کی طرف دیکھا۔
بلاشبہ حاتم نے ایک سنہرا موقع ضائع کر دیا تھا اگر وہ چاہتا تو جیگر کی پسلیاں توڑ سکتا تھا۔ وہ اس کے سامنے کچھ ایسی ہی پوزیشن میں گرا تھا۔ شاید یہ بات جیگر نے بھی محسوس کر لی تھی۔ وہ خاموش کھڑا حاتم کو گھورتا رہا۔

اب اس کی نگاہوں سے دلچسپی جھلک رہی تھی۔ اس کے منہ سے خون کی پتلی سی لکیر بہہ کر ٹھوڑی سے نیچے تک آگئی تھی۔ کچھ خون رس رس کر اس کی بھوؤں پر جمع ہو رہا تھا۔ یہ خون کی لکیر پیشانی کے زخم سے بہہ کر وہاں تک آئی تھی۔ آس پاس کھڑے ہوئے چاقو بدست بدمعاش حیرت سے جیگر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاید انھوں نے پہلی بار جیگر کو کسی کے ہاتھوں پٹتے ہوئے دیکھا تھا۔

جیگر نے ایک نظر فرش پر پڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ جس شخص کے پیٹ میں چاقو لگا تھا، وہ تو نہ جانے کب کا ملکِ عدم کو سدھار چکا تھا البتہ دوسرے دونوں زخمی کندھوں کی وجہ سے اس وقت بھی کراہ رہے تھے۔

"اسے لے جاؤ۔" جیگر نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "اور ان دونوں کی مرہم پٹی کر دو۔" یہ کہہ کر اس نے زمین پر گرے ہوئے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

جیگر کا حکم سنتے ہی کئی غنڈوں نے چاقو بند کیے اور جلدی سے آگے بڑھ کر زخمیوں کو سنبھالنے لگے۔ دو آدمیوں نے مُردہ غنڈے کو اٹھایا اور بار کے اندرونی دروازے کی طرف لے گئے۔

حاتم خاموشی سے کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ تھی اور چہرے سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کچھ دیر قبل وہ لڑنے کی بجائے محض تماشائی رہا ہو۔ اس کی سانسوں کے تسلسل میں ذرا سی بھی بے ترتیبی نہیں تھی۔

"ہوں۔ تو تمھارا نام ہنری ہے۔" جیگر سفاک لہجے میں بولا۔

"یقین نہ آیا ہو تو ایک مرتبہ پھر سہی۔"

"بہت خوب۔ تم واقعی جیالے ہو۔ کرتے کیا ہو؟"

"اس شہر کی تمام تجوریاں میری منظورِ نظر ہیں۔ اِدھر میں پہنچا، اُدھر انھوں نے آغوش وا کر دی۔" حاتم نے دونوں ہاتھ پھیلا کر آغوش کی کشادگی کا اشارہ کیا۔

"اوہ۔ واقعی۔" جیگر نے حیرت سے کہا۔ لیکن اپنی باتوں کے دوران میں اس نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔ حاتم نے ایک نظر اس کے ریوالور کی طرف دیکھا۔ اس کی نال بلاشبہ اس کے سینے کی طرف ہی اٹھی ہوئی تھی۔ "اب کیا خیال ہے، مائی ڈیئر ہنری؟" جیگر نے مسکرا کر کہا۔

"ایسا بھی سہی۔" حاتم نے جواب دیا۔ اس سے پیشتر کہ جیگر اس کے ارادے سے آگاہ ہوتا، اس نے برابر میں پڑی ہوئی کرسی اس کی طرف لڑھکا دی۔

جیگر نے ہٹنے میں بڑی پھرتی دکھائی اور ساتھ ہی ٹرائیگر بھی دبا دیا۔ ایک زبردست دھماکا ہوا لیکن حاتم تو وہ جگہ کبھی کا چھوڑ چکا تھا۔ اگر وہ اسی جگہ موجود رہتا تو یقیناً اس کے چیتھڑے اُڑ جاتے۔ اس دھماکے کے فوراً بعد ایک اور دھماکا ہوا۔ اور اس مرتبہ جیگر کی چیخ سنائی دی تھی۔ حاتم کے ہاتھ میں ریوالور دکھائی دیا۔ اس نے نہ جانے، اتنی جلدی کہاں سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔ گولی عین جیگر کے ریوالور پر پڑی اور ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"بہت خوب۔ ہر رنگ میں استاد ہو۔" جیگر نے دل کھول کر قہقہہ لگایا لیکن فوراً ہی اس کا قہقہہ دھماکے کی آواز میں دب گیا۔ حاتم نے دوسرا فائر کیا تھا۔ گولی سنسناتی ہوئی جیگر کے کٹے ہوئے کان کے پاس سے گزر گئی۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اگر ذرا سی بھی چوک ہو جاتی تو اس کی کھوپڑی کے چیتھڑے اُڑ جاتے۔ بار میں سناٹا چھا گیا۔ ہر شخص مبہوت کھڑا تھا۔ جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ حاتم قہر آلود نگاہوں سے جیگر کو گھور رہا تھا۔

"تم واقعی ایک جیالے نوجوان ہو۔" جیگر نے کہا۔ "اور جیگر تم جیسے بہادروں کی قدر کرتا ہے۔"

"میں، تمھارے حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوا ہوں۔" حاتم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بھول جاؤ اور میری طرف سے دوستی کا ہاتھ قبول کرو۔" جیگر نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف اپنے ہاتھوں پر ہی بھروسہ کرتا ہوں۔" حاتم نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر دیا اور لاپروائی سے جواب دیا۔ اس کی نگاہیں اس وقت بھی جیگر پر جمی ہوئی تھیں۔ شاید وہ اسے بھی جیگر کی مکاری سمجھ رہا تھا۔

"تمھیں شاید معلوم نہیں" جیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی بھیانک مسکراہٹ پھیل گئی "لوگ جیگر کی دوستی قبول کرنا باعثِ فخر خیال کرتے ہیں۔"

"یہی میرا بھی حال ہے اور اس کا زندہ ثبوت تمھارا بڑھا ہوا ہاتھ ہے لیکن میں بہت کم کسی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ دراصل، مجھے دوستی کے چکر پالنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"ٹھیک ہے" جیگر نے ہنکارا بھرا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ تھی جو ایک طرح سے اس کا ٹریڈ مارک تھی۔ اس نے رُومال نکال کر منہ اور پیشانی کا خون صاف کیا پھر اپنے آدمیوں کی طرف گھوم کر غرّایا "تم لوگ جاؤ۔"

حاتم مسکراتا ہوا اُسے گھورتا رہا۔

"میں تمھاری بہادری کی قدر کرتا ہوں، ہنری۔ اگر چاہو تو دوستی کا یہ ہاتھ قبول کر لو" جیگر کے لہجے میں استدعا کی ہلکی سی جھلک تھی۔ ... وہ اس کی طرف تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

حاتم کے چہرے پر تذبذب کے آثار دکھائی دیے۔ شاید ابھی تک جیگر پر اعتماد بحال نہیں ہوا تھا یا پھر وہ جان بوجھ کر اُسے ستا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ اس دوران میں اس کی آنکھیں جیگر کی خوفناک آنکھوں میں پیوست رہی تھیں "ٹھیک ہے۔ مجھے بھی تم جیسے بہادروں کی قدر کرنی چاہیے" حاتم نے مسکرا کر کہا اور جیگر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

جیگر کے لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے انتہائی گرم جوشی سے مصافحہ کیا "آؤ بیٹھو۔ رات کے تین بج رہے ہیں۔ بعض راتیں کس قدر ہنگامہ خیز ہوتی ہیں" جیگر نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حاتم خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس وقت دونوں کے چہرے سے یہ قطعاً محسوس نہیں ہوتا تھا کہ کچھ دیر پہلے ان کے درمیان زندگی اور موت کی جنگ ہوتی رہی ہے۔

"آؤ اس دوستی کا ایک ایک جام پئیں" جیگر نے اپنے ایک آدمی کو اشارے سے مشروب لانے کا حکم دیا۔

"میں گلاس سے پینے کا عادی نہیں ہوں" حاتم بولا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے تم اب تک چھ بوتلیں چڑھا چکے ہو" جیگر کے لہجے میں بے یقینی کا تاثر تھا۔ لیکن حیرت کا عنصر اس پر حاوی تھا۔

"بس کبھی کبھار ہی پیتا ہوں اور بے حساب پیتا ہوں" حاتم نے جھوم کر کہا اور اس شخص کی طرف دیکھنے لگا جو میز پر بوتل رکھ رہا تھا۔ بوتل سر بمہر تھی اور اس پر غیر ملکی لیبل آنکھوں کو بھلا محسوس ہو رہا تھا۔ جیگر نے بوتل کی سیل توڑی اور حاتم کی طرف بڑھا دی۔ حاتم اس سے پیشتر ہی جیب سے ٹکیہ نکال کر منہ میں ڈال چکا تھا۔ یہ حرکت اس نے سگریٹ سلگاتے وقت کی تھی۔ اس وقت جیگر بوتل کی سیل کھولنے میں مصروف تھا۔ حاتم نے بوتل لے کر منہ سے لگا لی اور جیگر حیرت سے منہ پھاڑے، اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بڑے بڑے گھونٹ حاتم کے حلق سے اترتے رہے اور بوتل میں سیال کم ہوتا جا رہا تھا۔ جیگر ایک طویل سانس لے کر سگریٹ سلگانے لگا۔



"آج پوری رات پینے ہی میں گزر گئی" جیگر نے مسکرا کر حاتم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مجھے توقع نہیں تھی کہ تم اتنے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہو" حاتم نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

جیگر کا سینہ خوشی سے پھیل گیا۔ ظاہر ہے، ایک ایسا آدمی اس کی تعریف کر رہا تھا، جس کے سامنے خود اس کی حیثیت حقیر ذرّے کی سی تھی "میں حیران ہوں" وہ بڑبڑایا۔

"کس بات پر" حاتم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہسکی تو خیر ہر آدمی ہضم کر لیتا ہے لیکن تم نے واڈکا کو بھی اسی انداز میں پی لیا ہے۔ گویا تمھارے نزدیک زہر اور شربت میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

حاتم نے قہقہہ لگایا اور مسلسل ہنستا رہا۔

جیگر بڑی عقیدت مندی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس کی ایک ایک ادا پر سو جان سے قربان ہوا جا رہا ہو۔ "تم نے کہا تھا کہ اس شہر کی تجوریاں تمھارے لیے اپنی آغوش کھول دیتی ہیں؟"

"ہاں دوست،" حاتم جھوم کر بولا۔ "بس مقدر ہے۔ اب کیا بتاؤں، لیکن ان پیچیدہ قسم کی تجوریوں کو کھول کر مجھے لطف آتا ہے اور میں یوں محسوس کرتا ہوں... جیسے کوئی اڑیل قسم کا محبوب راہ پر آ گیا ہو۔"

"بہت خوب، مزاج بھی شاعرانہ ہے۔"

"ہاں کچھ شاعر قسم کا چور سمجھ لو۔ لیکن یار، بعض اوقات میں محض شوقیہ بھی تجوریوں پر ہاتھ صاف کرتا رہتا ہوں۔"

"شوقیہ سے تمھاری کیا مراد ہے۔ کیا بلا ضرورت ہی تجوریاں توڑ ڈالتے ہو؟"

"ہاں۔ میں یہ سن کر خود پر قابو نہیں رکھ سکتا کہ فلاں تجوری کو آج تک کوئی نہیں کھول سکا۔ اِدھر میں نے یہ سنا، اُدھر ہاتھوں میں کھجلی ہونے لگی۔ بس پہنچ گیا تجوری کے پاس اور کھول ڈالا اُسے لیکن پھر اسے جوں کا توں چھوڑ کر چلا آتا ہوں۔"

"واٹ..." جیگر اچھل پڑا۔ "تمھارا مطلب ہے ہاتھ صاف کیے بغیر!"

"ہاں۔ میں نے ابھی بتایا تھا ناکہ بعض اوقات تفریحاً بھی ایسا کرتا ہوں۔"

"لیکن ہاتھ آئی ہوئی دولت کو چھوڑ دینا حماقت ہے۔ نہیں، دوست، میں نہیں مانتا۔ آگ کے قریب رہ کر مکھن پگھلنے سے بچ نہیں سکتا۔"

"تم مجھے الزام دے رہے ہو جیگر،" حاتم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یکایک اس کے نتھنے پھیلنے پچکنے لگے۔ آنکھوں سے غصے کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ابھی کچھ دیر میں جیگر پر پل پڑے گا اور اس کے چیتھڑے اڑا دے گا۔

جیگر نے اسے غصے میں دیکھا تو بوکھلا گیا۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ معاملہ کیا ہے پھر اسے محسوس ہو گیا کہ اس کی بات پر یقین نہ کرنے پر یہ سالا جھگڑا اکھڑا ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "بس۔ برا مان گئے۔ میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا، دوست بیٹھو۔"

حاتم غراتا ہوا بیٹھ گیا۔ اس کا موڈ بے حد خراب ہو گیا تھا۔ "لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی میرے فن کا مذاق اڑائے یا میری بات پر یقین نہ کرے۔ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ میں دولت کو محض استعمال کرنے کے لیے حاصل کرتا ہوں۔ اپنے پاس جمع کرنے کے لیے نہیں۔ مجھے دولت سے نفرت ہے اور شاید اسی لیے میں تجوریاں توڑتا ہوں۔ ویسے میں کھیل ہی ایک ہی رات میں ہزاروں ضائع کر دیتا ہوں۔"

"کھیل۔" جیگر اچھل پڑا۔ "کیا تم کھیلتے بھی ہو۔"

"یہی ایک بڑی عادت ہے، یار۔ اِدھر کسی نے نام لیا اُدھر ہتھیلی کھجانے لگی۔ مگر اس طرف تو ایک بھی ڈھنگ کا آدمی نہیں۔ کھیلیں بھی تو کس سے۔"

"پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ بہرطور، میں تمھاری ٹکر کے کھیلنے والے مہیا کر سکتا ہوں۔"

"اوہ۔ لاؤ جلدی۔" حاتم بے قراری سے پہلو بدل کر بولا۔

"ابھی نہیں۔ رات بھر جاگتے رہے ہو۔ چلو میرے کمرے میں سو جاؤ۔ صبح انتظام کر دوں گا۔"

"اوہ۔ اچھا۔" حاتم مُردہ دلی سے بولا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی کسی شدید ترین خواہش کو کچل دیا گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ہلکے سے کرب کا تاثر تھا۔ دونوں اٹھ گئے۔ جیگر اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ کمرہ اچھا خاصا تھا اور قیمتی سامانِ آرائش سے آراستہ تھا۔

"کچھ تنہائی محسوس کر رہے ہو تو بتاؤ، کسی کو بھیج دوں۔"

"کیا مطلب؟" حاتم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کوئی ساتھی وغیرہ۔" جیگر مسکرا دیا۔

"نہیں یار۔ کیوں میرا موڈ خراب کرنے کے چکر میں ہو۔ نیند آ رہی ہے، لمبی تان کر سوؤں گا۔ شام سے پہلے نہ اٹھانا۔ اور شام کو کہیں مشغول نہ ہو جانا۔ جتنے بھی معتبر کے آدمی ملیں سب کو دعوت دے ڈالو۔ ہاں۔"

"ٹھیک ہے، تم آرام کرو۔ میں ذرا نیچے کاؤنٹر دیکھ لوں۔" جیگر نے یہ کہہ کر دروازہ بند کیا اور چلا گیا۔

حاتم نے ایک طویل سانس لی اور تھکے تھکے سے انداز میں مسہری کی طرف بڑھ گیا۔ مسہری پر دراز ہو کر وہ آنکھیں بند کیے سوچنے لگا۔ وہ ایک پُراسرار شخصیت کو دیکھ کر دارالحکومت سے احمد نگر آیا تھا۔۔۔ لیکن جیگر کے بار میں داخل ہوتے ہی وہ شخص یوں غائب ہو گیا، جیسے کبھی اس کا نام و نشان تک نہ رہا ہو۔ بس، اُسی روز سے اس نے جیگر کے بار میں آنا جانا شروع کر دیا تھا۔ یہ اس کی ہٹ دھرمی تھی یا تذبذب۔۔۔ کہ اس نے اس بات کی اطلاع ایکسٹو کو نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے، وہ اطلاع دیتا بھی تو کیا؟ اُسے صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ پُراسرار شخص قانون کو مطلوب تھا لیکن یکایک غائب ہو جانے کی وجہ سے شاید پولیس اسے بھول گئی تھی۔۔۔ پھر اس کا یوں اچانک ہی دکھائی دینا بھی حیرت انگیز تھا۔ حاتم نے تجسّس کے ہاتھوں مجبور ہو کر تنہا ہی اس کا سراغ لگانے کا ارادہ کر لیا اور اب وہ اس منزل تک آ پہنچا تھا۔ جیگر کے بار میں تہ خانے کا اندازہ اُسے فوراً ہی ہو گیا لیکن تاحال وہ اس کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔

جیگر کے کمرے میں سونے کا ارادہ بس اس نے جھونک میں ہی کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ مصلحت کے خلاف تھا۔ سوتے میں اس کا میک اپ بھی ٹٹولا جا سکتا تھا۔ اس نے ہر خیال ذہن سے جھٹک دیا اور شام تک خوب لمبی تان کر سویا۔

شام کو وہ تیار ہو کر نیچے پہنچا تو بار کا ہنگامہ اپنے شباب پر تھا۔ جیگر، کاؤنٹر پر موجود تھا اور کچھ کھویا کھویا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی فکر مند نگاہیں خلا میں کسی نادیدہ نقطے پر مرکوز تھیں۔

حاتم نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

جیگر کی پیشانی کا زخم صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کاؤنٹر پر پہنچا اور اس کی سطح پر ہاتھ مار کر جیگر کو متوجہ کیا۔ جیگر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کہو ہنری۔ خوب مزے سے سوئے؟"

"ہاں، یوں محسوس ہوا جیسے اپنے ہی گھر میں سو رہا ہوں۔"

"تم جیگر پر مکمل بھروسہ کر سکتے ہو۔ جیگر ایک مرتبہ جسے دوست کہہ دیتا ہے، اس کے لیے جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ پھر دوستوں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ دیکھنا بھی جیگر کی طبیعت کے خلاف ہے۔ میں نے زندگی کے بہت نشیب و فراز دیکھے ہیں اس لیے تم جیسے لوگوں کو خوب پہچانتا ہوں اور سچے دل سے ایسے لوگوں کا قدردان ہوں۔"

"تھینک یو جیگر۔ مجھے تمھاری دوستی پر فخر ہے۔" حاتم نے کہا۔

دونوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور دوستانہ انداز میں مسکرانے لگے۔ اس وقت وہ برسوں پُرانے دوست دکھائی دیتے تھے۔ اُنھیں دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ گزشتہ شب وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بھی رہے ہوں گے۔ "کیا خیال ہے، واڈکا چلے گی یا پیگ نکالوں؟"

"جو جی میں آئے۔ اس معاملے میں، میں بڑا ہی بدذوق ہوں۔ جو کچھ سامنے آیا پی گیا۔" حاتم نے مسرور لہجے میں جواب دیا اور کن انکھیوں سے بار میں بیٹھے ہوئے افراد کا جائزہ لینے لگا۔ اسے اسی پُراسرار شخص کی تلاش تھی جو اس بار میں داخل ہونے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اُسے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ آخر مایوس ہو کر وہ جیگر کی طرف متوجہ ہو گیا جو واڈکا کی بوتل کھول کر کاؤنٹر پر رکھ رہا تھا۔

حاتم نے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا پھر یکایک رُک کر جیگر کی طرف دیکھنے لگا۔ انداز ایسا تھا جیسے یکایک کچھ یاد آ گیا ہو۔ جیگر نے بھی اُسے چونکتے ہوئے محسوس کر لیا تھا۔

"تم نے کچھ کھیلنے والوں کا حوالہ دیا تھا جیگر!"

"تم کہو۔ میں ابھی بندوبست کرتا ہوں۔۔۔"

"نہیں، دوست۔ کھیل کا ارادہ ہو تو میں پیا نہیں کرتا۔" حاتم نے بوتل کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت خوب ہنری۔ تمھارے اصول بڑے پیارے ہیں۔"

"بس۔ اپنی عادت ہے۔" حاتم نے بے نیازی سے کہا۔ "پھر آج تو مدتوں بعد کچھ اچھے کھیلنے والوں کی آس بندھی ہے۔ ابھی سے ہاتھ بے قابو ہو رہے ہیں۔"

جیگر نے کوٹ کی اندرونی جیب سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور کاؤنٹر پر پھینک دیا۔ حاتم نے چونک کر نوٹوں کو دیکھا اور استفہامیہ نگاہوں سے جیگر کو گھورنے لگا۔ "یہ کیا ہے؟"

"رکھ لو۔ کھیل میں شاید ضرورت محسوس ہو۔"

"نہیں، میں کھیلنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہوں۔" حاتم نے اپنی بیلٹ کھولی اور بیلٹ کے پیچھے سے تہ در تہ بڑے نوٹ نکال کر کاؤنٹر کے ٹاپ پر رکھ دیے۔

جیگر نے حیرت سے نوٹوں کی طرف دیکھا اور پھر پلکیں جھپکا کر بولا۔ "بہت ہی گہرے ہو، یار۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔"

"تم بلاوجہ وقت ضائع کر رہے ہو۔" حاتم نے منہ بنا کر کہا۔

"تم ہر بات کا بہت جلد برا مان جاتے ہو۔" جیگر مسکرایا۔

"من کا بادشاہ ہوں۔" حاتم بھی جواباً مسکرانے لگا۔

"میں آج دن بھر تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ تمہاری شخصیت بڑی ہی پراسرار ہے۔ یقین مانو کہ تم میرے اعصاب پر سوار ہو گئے ہو۔"

یہ ایک نفسیاتی امر ہے کہ انسان کسی سے متاثر ہو جاتا ہے تو اس کی معمولی سی بات بھی محسوس کیے بغیر نہیں رہتا۔ شاید یہی معاملہ جیگر کے ساتھ بھی تھا جب سے حاتم علی ملا تھا، وہ اس کی ہر بات پر چونک اٹھتا تھا۔ اسے حاتم کی ہر حرکت میں ایک نیا پن محسوس ہوتا تھا۔

"آؤ چلیں۔" جیگر نے کاؤنٹر کے عقب سے کہا اور دروازہ کھول دیا۔ "آؤ، اندر آجاؤ۔"

"لیکن تم تو کہیں جانے کے لیے کہہ رہے تھے۔" حاتم نے حیرت سے کہا۔ ویسے دل ہی دل میں وہ اپنی کامیابی پر مسرور بھی ہوا کہ اس قدر جلد اور آسانی سے گوہرِ مقصود ہاتھ آ رہا ہے۔ تاہم اس موقع پر حیرت کا اظہار ضروری تھا۔ اس نے اظہارِ حیرت کیا تو جیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی پراسرار مسکراہٹ آگئی۔ "کچھ چیزیں پس پردہ بھی ہوتی ہیں، ہنری ڈیئر۔"

"اوہ۔ خفیہ قمار خانہ۔"

"ششش۔ آہستہ۔ ہاں۔ آجاؤ۔" جیگر نے چوکس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

حاتم چوبی دروازے سے گزر کر کاؤنٹر کے عقب میں پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کے کونے پر ایک الماری تھی۔ جیگر نے الماری کی کسی چیز کو حرکت دی تو وہ یوں گھوم گئی کہ اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف ہو گیا۔ دور سے دیکھنے والا یہ محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ اس الماری کے عقب میں کوئی خفیہ دروازہ بھی ہوگا۔ دروازہ اتنا کشادہ تھا کہ جیگر جیسا جسیم آدمی اس میں سے بآسانی گزر گیا۔

حاتم استعجابیہ نگاہوں سے جیگر کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ "کیا اس کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ ایک نہیں تین ہیں۔ آہستہ آہستہ تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" جیگر نے فخریہ لہجے میں جواب دیا اور اس کمرے میں داخل ہو گیا، جو دروازے کے فوراً بعد سامنے آتا تھا۔

کمرہ تاریک تھا۔ ہلکی ہلکی سیلن کی بو محسوس ہوتی تھی۔ حاتم نے محسوس کیا کہ اس کمرے کو برسوں سے نہیں کھولا گیا۔ جیگر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک طرف دیوار میں لگا ہوا سوئچ دبا کر روشنی کر دی۔ حاتم نے چاروں طرف دیکھا۔ پہلی نظر میں یہ کمرہ کوئی اسٹور ہی دکھائی دیتا تھا لیکن وہاں تھوڑے سے فرنیچر اور چند خالی بوتلوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے جیگر کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر مسکراہٹ تھی۔ "کیوں ہنری۔ خالی کمرہ دیکھ کر سوچ رہے ہو کہ کہیں میں نے تم سے مذاق تو نہیں کیا؟"

"تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو میں ایسی مذاق کو اچھا سمجھتا ہوں جو میرے ذوق پر پورا اترتا ہو۔"

"بہر طور یہ مذاق نہیں بلکہ ہماری منزل کی پہلی کڑی ہے۔" جیگر نے یہ کہہ کر اس میز کا رخ کیا، جو ایک دیوار کے قریب رکھی ہوئی تھی اور جس کے گرد چار کرسیاں پڑی تھیں۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا پھر اس

نے حاتم کو اشارے سے ایک کرسی پر بیٹھنے کیلئے کہا۔

حاتم نے خاموشی سے اس کی بات پر عمل کیا۔

جیگر نے دونوں ہاتھوں سے میز کے کنارے تھام لیے اور میز کو گھمانے کے لیے ہلکا سا زور لگایا۔ میز تیسرے جھٹکے کے بعد آسانی سے گھوم گئی۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی اور فرش کا وہ حصہ تیزی سے دھنسنے لگا، جہاں وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کرسیوں پر بیٹھے رہے اور ان کی کرسیاں، فرش سمیت دھنستی چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد فرش ساکت ہو گیا تو جیگر نے کرسی چھوڑ دی۔ حاتم بھی اس کی تقلید میں اٹھ گیا۔ ان کے اٹھتے ہی فرش نے کرسیوں اور میزوں سمیت اٹھنا شروع کر دیا اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چھت کا وہ خلا پُر ہو گیا جس سے گزر کر دونوں نیچے آئے تھے۔

"اوہ...." حاتم نے حیرت کے اظہار میں شانوں کو جنبش دی۔

"کیوں... کیسا انتظام ہے؟" جیگر نے پوچھا۔

"شاندار... اور حیرت انگیز۔" حاتم بڑبڑایا۔

اس وقت وہ ایک ہال نما کمرے میں کھڑے تھے۔ حاتم نے جیگر کو کمرے کے اس حصے کی طرف بڑھتے دیکھا، جہاں ایک ڈرم رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں شراب کی پیٹیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ گویا یہ جیگر کا گودام تھا۔ جیگر اب ڈرم کے ساتھ زور آزمائی کر رہا تھا۔ ڈرم بھی بالکل اسی طرح گھوم گیا جس طرح میز گھومی تھی۔ یکایک کمرے کی ایک دیوار میں دراڑ سی پڑتی دکھائی دی۔ جو فوراً ہی دروازے میں تبدیل ہو گئی۔ "آؤ دوست۔" جیگر نے کہا۔

دونوں ایک طویل راہداری میں پہنچ گئے۔ ایک لمبی راہداری جس کی چوڑائی بس اتنی ہی تھی کہ صرف ایک آدمی اس میں چل سکتا تھا۔ جیگر نے راہداری میں گھستے ہی ایک سوئچ دبا کر روشنی کر دی۔

روشنی ہوتے ہی ان کے عقب میں دروازے کا شگاف بند ہونے لگا اور پھر یوں غائب ہو گیا جیسے اس دیوار میں کبھی کوئی راستہ تھا ہی نہیں۔ حاتم کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ اس نے کامیابی کے ساتھ اس تہ خانے کا بھی پتہ چلا لیا تھا جو پولیس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں راہداری میں آگے بڑھتے وقت حاتم کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس پُراسرار شخصیت کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا... جس کا سامنا ہونے کے امکانات روشن ہو گئے تھے۔ اس کے ذہن میں خدشوں نے سر ابھارنے کی کوشش کی لیکن حاتم نے انھیں سختی سے کچل دیا۔ وہ مضبوطی سے قدم جماتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ وہ راہداری کے آخر میں پہنچ کر رک گئے۔ دفعتاً ایک شرارہ سا لپکا اور حاتم چونک کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہواز دیٹ؟" ایک گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔

"دی فلیم۔" جیگر نے غرّا کر کہا۔

فوراً ہی ایک دروازہ نمودار ہوا اور حاتم ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ جیگر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ جو راہداری یکایک سامنے سے بند ہو گئی تھی، یہ غالباً اسی کا دوسرا حصہ تھا۔ دونوں خاموشی سے چلتے رہے اب حاتم کو کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں کبھی کبھی کوئی نقرئی قہقہہ بھی کانوں میں رس گھول جاتا اور کبھی کبھی یوں ہنسنے کی آواز آتی جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ ان آوازوں میں دو ایک بار ہلکے ہلکے دھماکے بھی سنائی دیئے۔ جیسے کوئی بھاری چیز کسی چوبی تختے سے ٹکرائی ہو۔

"بہت ہی پیچیدہ راستہ ہے یار۔ ٹیڑھی کھیر ہے۔" حاتم پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔ "اب یہ راہداری ختم بھی ہو گی یا شیطان کی آنت کی طرح بڑھتی ہی رہے گی۔"

جیگر ہنسنے لگا۔ اسی راہداری میں دو سو قدم چلنے کے بعد وہ ایک دروازے پر پہنچے۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دروازے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی نمودار ہوئی اور کسی شخص نے جھانک کر ان کی طرف دیکھا حاتم نے دروازے کا جائزہ لیا تو دل ہی دل میں اس زبردست حفاظتی انتظام کو سراہا۔ کھڑکی سے ڈیڑھ فٹ نیچے ایک گول سوراخ تھا جس کے عقب میں یقیناً [illegible] کی نال رہی ہو گی۔ دروازہ کھلنے سے پیشتر کھڑکی اور وہ گول سوراخ بند ہوا پھر اس کے بعد ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ ان کے لیے راستہ بن گیا۔ دونوں اندر داخل ہوگئے

خاصا بڑا کمرہ تھا۔ انتہائی روشن۔ اندر قدم رکھتے ہی ہلکی سی گھٹن کا احساس ہوا۔ وہاں پر لوگوں کی تعداد بیس سے کم نہیں تھی اور تقریباً سبھی سگریٹ پھونک رہے تھے۔ کمرے میں گھٹن کا باعث دھواں ہی تھا۔ میزیں بچھی ہوئی تھیں اور ہر میز کے گرد چار چار پانچ پانچ آدمیوں کی ٹولیاں کھیلنے میں مصروف دکھائی دیں۔ کچھ عورتیں بھی تھیں جو مختلف میزوں پر بکھری، کھیلنے والوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک طرف کاؤنٹر تھا جس کے عقب میں ایک انتہائی حسین لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے جیسے ہی جیگر کی طرف دیکھا، پرکشش انداز میں مسکرانے لگی۔ جیگر کے بھدے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ کاؤنٹر پر مختلف بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ کھیل کے دوران، پینے میں بھی مصروف تھے۔ جس بھی شخص کی نگاہ جیگر کی طرف اٹھتی، ساتھ ہی سلام کے لیے اس کا ہاتھ بھی اٹھتا تھا۔ حاتم نے غور سے ایک ایک شخص کا چہرہ دیکھا لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ مطلوبہ شخص وہاں نہیں تھا۔ وہ جیگر کی طرف متوجہ ہو گیا جو کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی نظریں ملیں اور حاتم تھکے تھکے قدموں سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

"کیوں دوست۔ کیسا ہے؟" جیگر نے پوچھا۔

"شاندار... حاتم بڑبڑایا اور کاؤنٹر گرل کی طرف دیکھنے لگا جو بڑی لگاوٹ سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حاتم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا پیو گے؟" جیگر نے دریافت کیا۔ پھر بڑبڑایا۔ "معاف کرنا میں بھول گیا تھا کہ تم کھیلنے سے پہلے پینے کے عادی نہیں ہو۔"

حاتم مسکراتا رہا۔ اس دوران بھی اس کی نگاہیں کمرے میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ دفعتاً اس کی نگاہ ایک شخص پر مرکوز ہو گئی۔ وہ شخص کارنر ٹیبل پر بیٹھا ایک لڑکی کے ساتھ پی رہا تھا۔ اچانک اس شخص نے جیب سے سگریٹ کا نیا پیکٹ نکالا۔ ایک سگریٹ منہ میں دبائی اور لائٹر سے سگریٹ سلگانے لگا۔ حاتم کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔ سگریٹ سلگانے کا یہ انداز، اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ شخصیت اس کے لیے بے حد اہم رہ چکی ہو۔ لیکن وہ کون ہے؟ یہ بات ذہن پر زور دینے کے باوجود معلوم نہ ہو سکی۔

"کہاں کھو گئے، یار۔ آؤ کچھ کھیل ہو جائے۔" جیگر نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور دونوں ایک میز کی طرف بڑھ گئے۔



"ہاں تو پیارے سلیمان۔" عمران نے ہانک لگائی۔ "فرض کرو کہ میں ایک ہوٹل کھول لیتا ہوں؟"

"فرض کس طرح کرتے ہیں صاحب؟"

"بس، جیسے جی میں آئے کر لے۔" عمران فراخدلی سے بولا۔

"اچھا صاحب۔ آپ نے ہوٹل کھول لیا۔ لایئے میری تنخواہ ایڈوانس۔ ہوٹل کا کچن سنبھالنا کوئی معمولی بات ہے، اماں یاد آ جاتی ہے۔"

"ہائیں۔ تو کیا تو ویسے اپنی والدہ کو یاد نہیں کرتا؟" عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نے تو ایک محاورہ کہا تھا، جناب۔" سلیمان نے ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا۔ "پہلے تو مجھ سے فرض کروایا کہ آپ نے ہوٹل کھولا ہے۔ اب بتایئے میں کوئی بے وقوف ہوں۔"

"در یں چہ شک۔ چراغ لے کر ڈھونڈوں تو تم سا دوسرا نہ ملے۔"

"بہر طور میں اب زیادہ دیر تک یہ فرض نہیں سنبھال سکتا۔ بتایئے آگے کیا کروں؟"

"ارے ہاں۔" عمران پیشانی رگڑ کر بولا۔ "بات ہوٹل کی ہو رہی تھی۔ یہ بتاؤ کہ ہوٹل کے باہر جو تختی لگائی جاتی ہے، اس پر کیا لکھا جائے۔"

"لکھنا کیا ہے۔" سلیمان سوچ میں ڈوب گیا۔ "میرا خیال ہے یہ لکھوا دیں کہ جتنا جی چاہے کھا جایئے دام آپ سے وصول نہیں کیے جائیں گے بلکہ آپ کے پڑپوتے، پوتے اور بیٹے اسے ادا کریں گے۔"

"ہائیں۔ اے ناقابل حصول باورچی کیا تیرے دماغ کی ہنڈیا میں ابال آ رہا ہے۔ ایسے اس طرح تو سینکڑوں مفت خورے آ بیٹھیں گے۔ آدھ گھنٹے میں دیوالیہ ہو جاؤں گا۔" عمران نے کراہ کر کہا۔

"دلوالیہ کسے کہتے ہیں صاحب" سلیمان نے چونک کر پوچھا۔

"پائی پائی کو محتاج ہو جانے والا دلوالیہ نہیں تو کیا دلیہ کہلاتا ہے؟"

"اوہ تب تو ٹھیک ہے۔ میں سمجھا تھا شاید مالیخولیا جیسی کوئی بیماری ہے۔"

"ہاں تو اے حاتم طائی کے پچھواڑے والے پڑوسی عرف الو کی دُم فاختہ۔ اس تختی کے لیے کیا جواز ہے، تمہارے پاس؟"

"فرض کیجیے صاحب۔ ایک آدمی مفت کا ہوٹل سمجھ کر کھانا کھانے آتا ہے۔"

"غلط۔ ایک آدھ نہیں، درجنوں آئیں گے" عمران دھاڑا۔

"فی الحال تو ایک ہی کی مثال لیجیے آپ۔ ایک آدمی کھانا کھانے آیا، اس نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دروازے کی طرف بڑھا تو پکڑ لیجیے گا یہ کہہ کر۔"

"ہائیں۔ اگر اس نے تختی پر لکھی ہوئی تحریر کا حوالہ دے دیا تو؟"

"تو کہہ دیجیے گا۔ جو بل وصول کیا جا رہا ہے وہ تمہارے پڑدادا، دادا، اور والد کا ہے۔ تمہارا بل تو تمہاری آئندہ نسل سے وصول کیا جائے گا۔"

عمران حیرت سے سلیمان کی صورت دیکھنے لگا اور پھر چونک کر فون کی طرف بڑھا۔ جس کی گھنٹی گنگنانے لگی تھی۔ دوسری طرف سے سر سلطان کی آواز سنائی دی انھوں نے دو جملوں میں بات ختم کر دی تھی۔ "فوراً کوٹھی پہنچو۔ بہت ضروری کام ہے۔"

"لو پیارے اپنا تو کام ہو گیا۔" عمران نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن چونک کر دیکھا تو سلیمان کمرے سے غائب تھا۔ وہ فون کی گھنٹی بجتے ہی وہاں سے کھسک گیا تھا۔ عمران تیزی سے سیڑھیاں اتر کر گیراج تک پہنچا اور اپنی فیاٹ نکال کر تیزی سے سر سلطان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کی کوٹھی تک پہنچنے میں اسے پندرہ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگا۔ سر سلطان غالباً بہت ہی پریشان تھے۔ عمران نے انھیں گیٹ کے قریب ہی ٹہلتے دیکھا تو چونک پڑا۔ "خیریت تو ہے جناب۔ بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔"

"کیا بتاؤں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی وبال کھڑا ہو جاتا ہے۔" سر سلطان بولے اور اُسے لے کر سٹنگ روم میں آ بیٹھے۔ عمران خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ سر سلطان کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔ شاید اسی لیے عمران کو غیر سنجیدہ ہونے کی ہمت نہ ہوئی سر سلطان گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کچھ کہنے کے لیے موزوں الفاظ تلاش کر رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد انھوں نے عمران کی طرف دیکھا اور بولے "حیرت انگیز اموات کا سلسلہ سامنے آ رہا ہے۔ کیا تم نے اس سلسلے میں کچھ غور کیا؟"

"میں کیا کر سکتا ہوں، جناب۔ پولیس اور محکمہ سُراغ رسانی کی کارکردگی کیا ہے؟"

"دونوں بُری طرح ناکام رہے ہیں۔" سر سلطان بڑبڑائے "مجھے تو یہ کوئی سازش معلوم ہوتی ہے، عمران بیٹے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"جی ہاں۔ ویسے میں سر رحمان کے کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔ ان کی بیٹی نے پولیس کو جو بیان دیا ہے، اس کے مطابق سر رحمان کو کسی پُراسرار آدمی کی طرف سے دھمکیاں وغیرہ ملتی رہتی تھیں۔ اور آخر میں یہ صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ انھیں کسی بھی وقت موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔"

"ہاں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اُن کی بیٹی نے کچھ ایسا ہی بیان دیا ہے۔"

"اس سلسلے میں ایک ہی آدمی سامنے آتا ہے جناب اور وہ ہے، آنڈی لوجی... لیکن ماضی کی بھاگ دوڑ سے تو مجھے یہی اندازہ ہوا کہ آنڈی محض ایک ہوا ہے جس کی آڑ میں کوئی تنظیم، غیر قانونی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔"

"آنڈی" سر سلطان اُچھل پڑے "کیا وہی شخص جس کے لیے کچھ عرصہ قبل پولیس نے دارالحکومت میں، تفتیش کی تاریخ میں، سب سے زیادہ چھاپے مارے تھے لیکن اُس کا کوئی سُراغ نہیں مل سکا تھا؟"

"جی ہاں۔ ان تمام جگہوں پر جہاں وارداتیں ہوئی تھیں، ایک ہی قسم کے فنگر پرنٹس ملے تھے۔ عمران

نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"لیکن ملک کی نامور ہستیوں کو ختم کر کے اُسے کیا مل سکتا تھا؟"
"اسی لیے تو میں آنزای لوجی کو حقیقت تسلیم نہیں کرتا جناب۔ یہ ایک تنظیم ہے، جو شاید کسی خاص مقصد کے لیے اس قسم کی سرگرمیاں میں مصروف ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی غیر ملکی۔۔۔"
"ہوں۔۔۔ کچھ کرو عمران۔ مجھے رحمان کی موت کا گہرا دکھ ہے۔ وہ عنقریب کوئی بہت ہی اہم ایجاد پیش کرنے جا رہے تھے۔ تم جانتے ہو رحمان نے ملک کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ مزید کوئی قومی نقصان ہو۔ اب تک چھ کے قریب اہم شخصیتیں ختم ہو چکی ہیں" سر سلطان کی آواز میں کرب کی جھلک تھی۔
"میں پوری کوشش کر رہا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے، اس مرتبہ اس تنظیم کی دھجیاں بکھر کر رہیں گی" عمران نے سخت لہجے میں کہا۔
"میں حیران ہوں اب تک اس کا سراغ کیوں نہیں ملا"
"کئی باتیں ہیں جناب۔ ہمارے ہاں پولیس بالکل ناکارہ ہے۔ ایک بھی بات راز نہیں رہتی۔ جب اطلاع مجرموں تک پہنچ جاتی ہے تو وہ پولیس کارروائی سے پہلے ہی غائب ہو جاتے ہیں"
"بہر طور، تمہارے ڈیڈی نے کہا ہے کہ معاملہ اب سراغ رسانی کے محکمے اور پولیس کے بس سے باہر ہو گیا ہے۔ اس لیے ایکسٹو کو توجہ کرنی چاہیئے"
"ایک ایکسٹو ہی رہ گیا ہے، یہ ہزاروں لوگ نہ جانے کس بات کی تنخواہ لیتے ہیں" عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا پھر یکایک اس کے چہرے سے سنجیدگی غائب ہو گئی۔ اب اس کے چہرے پر حماقت کے تاثرات تھے "اب تو سوچتا ہوں کہ شادی کر لوں اور ہونے والے بچوں کو پولیس میں بھرتی کرا دوں آخر میرے بچوں کے مستقبل کی بھی کوئی ضمانت ہے یا نہیں جناب"
"بس اتر آئے اپنی اوقات پر" سر سلطان مسکرا کر بولے "خیر میں چاہتا ہوں کہ قوم کو عظیم نقصان سے بچایا جائے" سر سلطان نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔



"کوشش کرتا ہوں" عمران نے اُٹھتے ہوئے کہا۔
فیاٹ اسٹارٹ کرتے وقت اس کے جبڑے بھنچ گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ نہ جانے وہ کس ادھیڑ بن میں تھا۔ فیاٹ ہوا کے دوش پر سوار اُڑنے لگی۔ چوراہے پر پہنچ کر عمران نے فیاٹ کا رخ دانش منزل کی طرف موڑ لیا۔ اسے صفدر کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ پھر اس کی جیب میں فیاض کی کارروائی کی نقل بھی موجود تھی، جسے وہ سر سلطان سے لیتا آیا تھا۔ گاڑی دانش منزل کی طرف تیزی سے دوڑتی رہی۔

کھیلنے والوں کی تعداد چار تھی۔ حاتم نے بیلٹ کھول کر نوٹوں کی بڑی تعداد نکال کر سامنے رکھ لی اور تاش کی طرف دیکھنے لگا۔ اس قسم کے قمار خانے عموماً لوٹ کھسوٹ کے اڈے ہی ہوتے ہیں۔ حاتم نے ایک نظر ماحول کا جائزہ لیا تو یہی اندازہ ہوا کہ بڑی بڑی اسامیوں کو گھیر گھار کر یہاں لایا جاتا ہے اور پھر انہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا ہے۔ ظاہر ہے، وہاں کوئی شخص اپنی مرضی سے تو کھیل نہیں سکتا۔ اگر کوئی ہیرا پھیری کی بھی جائے تو اعتراض کرنے والوں کو دوسرا سانس تک لینا نصیب نہیں ہوتا ہوگا۔
کھیل شروع ہو گیا۔
جیگر محض تماشائی کی حیثیت سے بیٹھا رہا۔ نہ جانے اس نے کھیل میں کیوں حصہ نہیں لیا تھا۔ شاید حاتم سے بے پناہ متاثر ہونے کی وجہ سے اس نے اس کے ساتھ کھیلنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ حاتم کو بار بار یوں محسوس ہوتا رہا جیسے جیگر کی حیثیت محض ایک ملازم کی سی ہے۔ اس تمام نظام کا انتظام بظاہر تو اس کے ہاتھ میں ہے لیکن پس پردہ کوئی اور ہی کارفرما ہے وہ شخصیت کون ہو سکتی ہے؟ کیا وہی پُراسرار شخص جس کے تعاقب میں وہ، جیگر کے شراب خانے تک آ پہنچا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے کن انکھیوں سے کارنر ٹیبل

کی طرف دیکھا۔

کارنر ٹیبل پر موجود وہ مانوس چہرے والا شخص اس وقت بھی پینے میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی دبے دبے لہجے میں اس سے محوِ گفتگو تھی۔ ایک گلاس لڑکی کے سامنے بھی رکھا ہوا تھا جس سے کبھی کبھی وہ ہلکی سی چسکی لے لیتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے وہ محض اس شخص کا ساتھ دے رہی ہو۔

عدم توجہی اور غیر حاضر دماغی کی وجہ سے حاتم پہلی بازی میں مات کھا گیا۔ اس نے خاصی بڑی رقم داؤ پر لگا رکھی تھی اس لیے اس کے سامنے رکھی ہوئی ڈھیری میں واضح کمی نظر آنے لگی۔ جیگر جو اس سے خاصا متاثر تھا، اسے شاید حاتم کے ہارنے کی توقع نہیں تھی۔ اس لیے وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ حاتم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تو یہ سے کھیلو دوست،" جیگر بڑبڑایا۔ "تم سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہو۔"

"پروا مت کرو۔ میں ہار کر بھی خوش ہوتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" جیگر حیرت سے بولا۔

"یہی کہ دوسروں کو جیت کی خوشی سے مسرور دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔" حاتم نے بے نیازی سے کندھے جھٹک کر جواب دیا۔

"میں نہیں چاہتا کہ میری موجودگی میں تمہیں کوئی نقصان پہنچے،" جیگر کے لہجے میں عقیدت تھی۔

"دیکھتے رہو۔ بعض اوقات میں آخری ایک نوٹ سے سب کچھ واپس لے لیتا ہوں۔" حاتم نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"مقدرات،" جیگر بڑبڑایا۔ "لیکن یہ بازیچۂ اطفال نہیں ہے ڈیئر۔"

حاتم بے ساختہ مسکرا دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ جیگر نے اس کی بات کو محض طفل تسلی ہی خیال کیا ہے۔ اس نے دوسری مرتبہ بھی خاصی رقم داؤ پر لگا دی۔ انداز سے لاپروائی کا اظہار تو وہ شروع ہی سے کر رہا تھا اس لیے بازی ختم ہوئی تو رقم کا بیشتر حصہ سامنے منتقل ہو گیا۔ اور پھر نصف گھنٹے بعد حاتم کے سامنے محض سو روپے کا اکلوتا نوٹ دھرا ہوا تھا۔ جیگر حیرت سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر بے یقینی تھی، شاید اسے اس وقت کا انتظار تھا، جب حاتم یہ آخری نوٹ بھی ہار کر اُٹھ کھڑا ہوگا۔ حاتم نے آخری نوٹ داؤ پر لگایا تو سامنے بیٹھا ہوا شخص بولا۔ "اتنے کم داؤ سے کیا بنے گا۔ کچھ اور نکالو۔"

"نکالو۔ جس قدر جی چاہے۔" حاتم نے لاپروائی سے کہا۔

"رقم نکال کر رکھو۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ اگر میں ہار گیا تو تمہیں رقم مل جائے گی۔"

"اصول تو یہ ہے کہ جو رقم سامنے موجود ہو، اسی کو داؤ پر لگایا جائے۔"

"اپنے اپنے اصول ہیں۔ میں دوسروں کے اصولوں کا پابند نہیں ہوں۔" حاتم نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اگر رقم شو نہیں کرو گے تو کھیل ختم۔" وہ شخص نوٹ سمیٹتے ہوئے بولا۔ حاتم نے جیگر کی طرف دیکھا جیگر نے کسمسا کر پہلو بدلا اور پھر دبے دبے لہجے میں بولا۔ "اگر چاہو تو میں..." شاید وہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر رقم کی ضرورت ہو تو اس سے قرض لے لے۔

"نہیں۔" حاتم نے جلدی سے کہا۔ "کھیل اسی طرح ہوگا۔"

"معاف کرنا دوست۔ تم شاید کھیل کی الف بے سے بھی واقف نہیں ہو۔"

"تم سو کے مقابلے میں لگاؤ بازی۔ میں ہار گیا تو پوری رقم ادا کیے بغیر میز سے نہیں اٹھوں گا۔" حاتم نے سخت لہجے میں کہا۔

نہ جانے یہ اس کے لہجے کا اثر تھا یا پھر کھیلنے والے شخص نے یہ سوچ کر اس کی بات مان لی کہ پہلے ہی اس نے کون سا تیر مار لیا ہے کہ آخری بازی جیت لے گا۔ اس نے تضحیک آمیز نگاہوں سے حاتم کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ "چلو آج یہ بے اصولی بھی سہی۔"

کارڈ تقسیم ہو گئے اور پھر پانچ منٹ بعد حاتم کے سامنے تین ہزار روپے کے نوٹ رکھے ہوئے تھے اور وہ شخص غصے سے پہلو بدلتا ہوا اسے پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"لاؤ گارڈ... کیا سوچ رہے ہو۔" حاتم مسکرایا۔

"ایک منٹ۔ اب میں داؤ اس وقت تک نہیں لگاؤں گا جب تک تم تین ہزار کی رقم سامنے نہیں رکھتے۔" اس شخص نے سخت لہجے میں کہا۔

"میرے سامنے اس وقت تین ہزار ایک سو روپے ہیں۔" حاتم بدستور مسکراتا ہوا بولا۔

"نہیں۔ ان کے علاوہ... اگر تم ہار جاتے تو؟"

"تو میں تمہیں رقم ادا کر دیتا۔" حاتم نے بدستور نرم لہجے میں جواب دیا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ بہرطور اگلی بازی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک تم تین ہزار اپنے پاس سے نکال کر نہیں رکھتے۔"

"آہم۔" حاتم غرایا۔ "تمہیں اس سے کیا مطلب ہے؟"

"کچھ بھی سہی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔"

"ہونہوں۔" حاتم نے اسے گھورا اور بوٹوں کے تسمے کھولنے لگا۔ بوٹ اتار کر اس نے الٹا اور سول کی طرف سے ایڑی کو حرکت دی۔ ایڑی گھوم گئی۔ وہاں ایک چھوٹا سا خانہ دکھائی دینے لگا۔ حاتم نے اس خانے میں لگی ہوئی ایک چھوٹی سی کل کو حرکت دی۔ سول نے یوں الگ ہو کر خلا پیدا کر دیا جیسے جوتے نے منہ کھول دیا ہو۔ اس خلا سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکل کر حاتم کی گود میں گر گئی۔ جیگر اور میز پر بیٹھے ہوئے دونوں آدمی حیرت سے حاتم کو گھورنے لگے۔ حاتم کے ہونٹوں پر اس وقت بھی پراسرار مسکراہٹ تھی۔ اس نے گڈی اٹھا کر میز پر ڈال دی اور دوسرا بوٹ اتارنے لگا۔ اس بوٹ کے تلے سے بھی نوٹوں کی ایک گڈی نکل آئی۔ حاتم نے دونوں بوٹ پہن لیے اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگانے لگا۔ اس نے غیر معمولی موٹے تلے والے جوتے پہن رکھے تھے۔ جیگر کا منہ اس وقت بھی حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے تعریفی نگاہوں سے حاتم کی طرف دیکھا اور پھر اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "یار تم تو ہر رنگ میں پورے ہو ہنری۔ خدا کی قسم میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم بلاوجہ ضد کر رہے ہو اور تمہارے پاس مزید رقم نہیں ہے۔"

حاتم نے بلند آواز میں قہقہہ لگایا۔ اور بولا۔ "اب کیا خیال ہے؟"

"اب تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔" جیگر تعریفی لہجے میں بولا۔

"میرا مطلب ہے، اب تو تمہیں یقین ہے نا کہ میرے پاس مزید رقم نہیں ہے؟"

"کیا مطلب؟" جیگر پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"یہی کہ اس کے باوجود میرے پاس پچاس ہزار موجود ہیں۔"

"پچاس ہزار۔" جیگر منہ پھاڑ کر بولا اور بے یقینی سے ہنسنے لگا لیکن حاتم کی آنکھوں میں سختی کے آثار دیکھ کر اس نے منہ دبا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ ہنری ذرا ذرا سی بات کا برا مان جاتا ہے۔

"تمہیں یقین نہیں آیا۔" حاتم غرایا۔ "چلو ایک داؤ یہ بھی سہی۔ بتاؤ میں نے وہ رقم کہاں رکھی ہے۔ اگر تم بتانے میں کامیاب ہو گئے تو پچاس ہزار تمہارے۔"

"کیا واقعی۔ میرا مطلب ہے تمہارے پاس رقم موجود ہے۔"

"ہاں۔ پورے پچاس ہزار۔ ان کا سراغ لگاؤ اور جیت لو۔"

"تمہاری بیلٹ میں۔" جیگر مسکرا کر بولا۔

"نہیں۔" حاتم مسکرایا۔

"تو پھر میری عقل عاجز ہے۔" جیگر نے ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

"لو دیکھو۔" حاتم نے مسکرا کر کہا اور پتلون کا پائنچہ اٹھانا شروع کر دیا۔ اس نے پائنچہ اس قدر اٹھا لیا کہ اس کے گھٹنے کا بالائی حصہ نظر آنے لگا۔ اس نے چٹکی بھری اور کھال کو کھینچا تو نوٹوں کی پتلی سی تہہ دکھائی دی۔ اس نے مصنوعی کھال اتار کر نوٹ الگ کیے اور جیگر کی طرف بڑھا دیئے۔ "گن لو پورے پچیس ہزار ہیں۔"

"اور باقی پچیس ہزار۔" جیگر منہ پھاڑ کر بولا۔

"دوسری طرف۔" حاتم آنکھ دبا کر ہنسنے لگا۔

"یار تم آدمی ہو یا بھوت۔" جیگر بے وقوفوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

"بس ایک حقیر سا آدمی ہوں لیکن کام بڑے

سائنٹیفک انداز میں کرتا ہوں۔ چلو دوست، لگاؤ بازی۔ بلاوجہ وقت برباد ہو رہا ہے۔" حاتم اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے مخاطب ہوا۔

"کیا اس کے علاوہ بھی کچھ رقم تمہارے پاس ہے؟" جیگر نے گہری دلچسپی سے دریافت کیا۔

"ہاں۔ تم مجھے ایک چلتا پھرتا خزانہ کہہ سکتے ہو لیکن عام آدمی یہ رقم تلاش نہیں کر سکتا۔ پوسٹ مارٹم کی بات الگ ہے۔" حاتم نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر وہ رقم ضرور تمہارے معدے میں ہو گی؟" جیگر قہقہہ لگا کر بولا۔

"نہیں۔۔" حاتم نے کہا اور کھیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ایک گھنٹے تک کھیل ہوتا رہا۔ اس دوران میں ایک مرتبہ بھی اسے مات نہیں ہوئی نتیجتاً کھیلنے والے دونوں آدمی ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیوں دوستو۔ بس؟" اس کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔

"نہیں دوست۔ تم کوئی خبیث روح ہو۔ تم سے کون جیت سکتا ہے۔"

"اچھا۔" حاتم نے جمائی لی اور نوٹ گننے لگا۔ اس نے اپنی رقم الگ کر لی اور جیتی ہوئی رقم ان دونوں کی طرف بڑھا کر بولا۔ "اپنی رقم لے لو۔"

"کیا مطلب؟" دونوں ہی چونک کر اسے گھورنے لگے۔ ان کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے اور وہ کچھ ایسی نگاہوں سے حاتم کو دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ رہا ہو۔

"مطلب یہ کہ میں بس شوقیہ کھیلتا ہوں۔ یہ میرا پیشہ نہیں ہے۔"

اس نے نوٹ میز پر پھینکے اور جیگر کی طرف متوجہ ہو گیا جو بڑی عقیدت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حاتم نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "چلو دوست، اب کچھ حلق تر کر لیں۔ ہاتھ کی کھجلی تو ختم ہو گئی۔" وہ ہاتھ رگڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو۔۔" جیگر نے کاؤنٹر کی طرف اشارہ کیا۔

وہ کاؤنٹر کے سامنے، اسٹولوں پر بیٹھ گئے۔ حاتم نے کہنیاں کاؤنٹر کے ٹاپ پر جمائیں اور کن انکھیوں سے قمار خانے کے کونے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ شخص اس وقت بھی پینے میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی کچھ بیزار محسوس ہو رہی تھی۔ حاتم نے جیگر کو ٹہوکا دیا۔ "یہ کون محترم ہیں، پیارے؟"

"کون؟" جیگر نے چونک کر حاتم کی طرف دیکھا۔

"وہ جو کونے والی میز پر براجمان ہے۔" حاتم نے آنکھ کے اشارے سے بتایا۔

"اوہ۔ وہ جو جیک کے ساتھ بیٹھی ہے۔" جیگر مسکرانے لگا۔ "اپنے ہی گروہ کی لڑکی ہے۔ کیسی ہے؟"

"یونہی سی ہے۔" حاتم نے منہ بنا کر کہا۔ "دراصل اس کے نقوش کچھ مانوس سے محسوس ہو رہے تھے۔"

"اوہ۔ یہ لڑکی پہلے دارالحکومت میں تھی۔ ممکن ہے، وہیں کہیں دیکھا ہو۔"

"ممکن ہے۔ اور یہ جیک کون ہے؟"

"اپنا ہی آدمی ہے۔" جیگر مسکرایا۔ "اب تو تم بھی اپنے ہی آدمی ہو۔ کیا خیال ہے؟"

"برا نہیں۔" حاتم نے دوستانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

دفعتاً پورا ہال گھنٹی کی آواز سے جھنجھنا اٹھا۔ بہت تیز آواز تھی۔ اتنی تیز کہ ہال میں بیٹھے ہوئے تقریباً سبھی آدمی چونک پڑے۔ حاتم بھی اچھل پڑا تھا۔ اس نے کاؤنٹر بیل کی طرف دیکھا۔ جیک خاص طور سے اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا اور تیز تیز چلتی ہوئی ان کی طرف آئی پھر وہ کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر بولی۔ "جیگر۔۔۔ باس۔"

جیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور حاتم کو وہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے ایک طرف بڑھ گیا۔ حاتم کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔ جیگر کی حیثیت محض ایک ملازم کی سی تھی۔ اس نے لڑکی کی طرف دیکھا جو جیگر کو اطلاع دے کر واپس اسی میز کی طرف جا رہی تھی جہاں وہ کچھ دیر قبل جیک کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ حاتم نے جیک کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھے تو اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ اس نے کن انکھیوں سے جیگر کی طرف دیکھا جو ہال کے اس حصے کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں ایک دروازہ تھا اور دروازے پر ٹائلٹ لکھا ہوا تھا۔ وہ

کاؤنٹر گرل کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے بولا "ٹائلٹ کس طرف ہے؟"

"وہ اُدھر۔" لڑکی نے اُسی سمت میں اشارہ کیا جدھر جیگر گیا تھا۔

حاتم نے گلاس حلق میں انڈیلا اور ٹائلٹ کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جیگر کہیں دکھائی نہ دیا۔ وہ بغور اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ وہ انتہائی احتیاط سے قدم اُٹھا رہا تھا۔ ذرا سی بھی آہٹ پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ فرش پر پھیلے ہوئے پانی پر پڑی۔ اور پھر اس نے پانی کے اس حصے پر آگے کسی کے قدموں کے نشان بھی دیکھ لیے۔ یقیناً یہ جیگر ہی کے جوتوں کے نشانات تھے۔ . . وہ مزید احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ جوتوں کے نشان راہداری میں آگے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ حاتم کو حیرت ہو رہی تھی کہ اس قدر طویل اور عریض ٹائلٹ کی بھلا کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس کے دائیں ہاتھ دروازوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ آخر ایک جگہ وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ ایک ہلکی سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس نے غور سے سُنا۔ دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سُنائی دی۔ ایک آواز تو اس نے فوراً ہی پہچان لی۔ یہ جیگر کی آواز تھی۔ وہ بڑے ہی معودبانہ لہجے میں کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔

حاتم نے اس بند دروازے کے برابر والا دروازہ کھولا اور آہٹ پیدا کیے بغیر اندر گھس گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ خاموشی سے کھڑا گفتگو سن رہا تھا۔ جیگر کا مخاطب کون تھا یہ تو معلوم نہ ہو سکا البتہ اتنا ضرور پتہ چل گیا کہ وہ جو کوئی بھی تھا، اس کی آواز اسپیکر سے اُبھر رہی تھی۔



صفدر نے ریسیور رکھ دیا اور طویل سانس لیکر کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھ گیا۔ خاصے عرصے کے بعد ایکسٹو کی کال موصول ہوئی تھی۔ پچھلا کیس نپٹائے دو ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا۔ دراصل اس کیس میں اس قدر دوڑ بھاگ ہوئی تھی کہ ساری اگلی پچھلی کسر نکل گئی۔ زندگی کا تو یہ عالم تھا کہ اگلے پل کی خبر نہ تھی۔ بس ہر وقت جان ہتھیلی پر دھری سمجھیے۔!

دارالحکومت میں ان دنوں سکون تھا۔

سکون اس طرح کہ ایکسٹو خاموش تھا۔ اب تو سیکریٹ سروس کے سبھی ممبر اس وقت تک حالات کو ہنگامی قرار نہیں دیتے تھے جب تک کہ ایکسٹو اس معاملے میں نہیں کود پڑتا تھا۔

سر رحمان کے بارے میں یہ جان کر کہ وہ مر چکے ہیں یا انھیں قتل کر دیا گیا ہے، صفدر کا ذہن بے قابو ہو گیا تھا۔ وہ ان کی اہمیت سے واقف تھا۔ پھر ایکسٹو ان کی لاش میں دلچسپی لے رہا تھا اس وجہ سے اسے معاملے کی سنگینی کا پورا پورا احساس ہو گیا۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ فلیٹ کا دروازہ لاک کرتا ہوا نیچے اُتر آیا۔ کرائے کے گیراج سے اس نے اپنی نئی موٹر سائیکل نکالی اور سر رحمان کی کوٹھی کی طرف چل دیا۔ اس کے ہاتھ ہینڈل پر جمے ہوئے تھے اور جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ بار بار اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال اُبھر رہا تھا اور وہ تھا سر رحمان اور ان کی پُر اسرار اور اچانک موت۔! پھر ایکسٹو کی دلچسپی۔ اس نے صبح سے تقریباً سبھی اخبار دیکھ ڈالے تھے۔ ان میں کوئی ایسی خبر نہیں تھی جس سے حالات کے غیر معمولی ہونے کا علم ہوتا۔ لیکن دفعتاً سر رحمان کی موت . . . اور ان کی لاش کی تلاش یہ واقعی لمحہ فکریہ تھا۔ اس کا ذہن موٹر سائیکل کی رفتار کے ساتھ کام کرتا رہا۔ لیکن سر رحمان کی کوٹھی تک پہنچ کر بھی اس کے ذہن میں کوئی تصویر واضح نہ ہو سکی۔ ایک نظر گیٹ کی طرف دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ کوٹھی میں پولیس ہی پولیس بھری ہوئی ہے۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ کچھ آگے آکر اس نے چورلے کی ایک دُکان کے سامنے موٹر سائیکل روک دی۔ اس کی نگاہیں ایک شخص پر جم گئیں۔ وہ شخص ایک الیکٹرک پول سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ بار بار اس کی نگاہیں سر رحمان کی کوٹھی کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ صفدر کو وہ نہ جانے کیوں کچھ مشکوک سا آدمی محسوس ہوا۔ صفدر دُکان کی سائیڈ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ نگاہیں اس پُر اسرار شخص پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ شخص کچھ مضطرب نظر آنے لگا ہے۔ صفدر نے دیکھا، اب وہ بار بار بے قراری کے عالم میں گھڑی دیکھ

رہا تھا۔ اس کے باوجود اس کی نگاہیں کوٹھی کے دروازے پر جمی رہیں۔ سر رحمان کی کوٹھی وہاں سے قریب ہی تھی اس لیے صفدر سمجھ گیا کہ وہ وہاں کی نگرانی کر رہا ہے۔ لیکن کس چیز کی نگرانی...؟ اس سوال کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں ایکسٹو کا وہ جملہ گھوم گیا کہ لاش کو ایک لمحے کے لیے تنہا نہ چھوڑے گویا وہ شخص لاش کو اغوا کرنے کے چکر میں ہے۔ اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ دفعتاً ایک سیاہ رنگ کی وین سڑک پر رکتی ہوئی دکھائی دی۔ صفدر نے دیکھا وین کو دیکھتے ہی وہ شخص تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔ گویا وہ اس وین ہی کا منتظر تھا۔ وہ شخص تیزی سے وین کے قریب پہنچا۔ وین کی فرنٹ سیٹ پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو صورت سے کچھ اچھے آدمی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے اس شخص سے کچھ کہا۔

اس نے معنی خیز انداز میں کوٹھی کی طرف اشارہ کیا۔ وین اسٹارٹ ہوئی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

صفدر نے ادھر ادھر دیکھا اور جنرل اسٹور کے مالک سے باتیں کرنے لگا۔ "یہاں قریب کوئی پبلک فون بوتھ ہے؟"

"جی نہیں، یہاں تو ہر گھر میں فون موجود ہے اس لیے پبلک فون بوتھ کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ ویسے کچھ آگے جا کر کمرشل سینٹر میں فون بوتھ موجود ہے۔"

صفدر نے اثبات میں سر کو حرکت دی اور دکان دار سے سگریٹ کا پیکٹ طلب کیا۔ سگریٹ خرید کر اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور دھیرے دھیرے کش لگانے لگا... الیکٹرک پول کے ساتھ وہ شخص دوبارہ آ کھڑا ہوا تھا اور اب اس نے جیب سے ایک اخبار نکال کر سامنے کر لیا تھا۔

صفدر کا ذہن سنسنانے لگا... سر رحمان کا قتل اور پھر ان کی لاش کو غائب کرنے کا چکر بعید از قیاس تھا لیکن ایکسٹو نے یہ خطرہ نہ جانے کس طرح سونگھ لیا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ایکسٹو واقعی ایک ایسی روح کا نام تھا جس سے کبھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی تھی۔ انتظار کرتے کرتے جب نصف گھنٹہ گزر گیا تو صفدر کو بوریت ہونے لگی۔ وہ نگرانی جیسے مکھی مار کام سے یوں بھی بہت گھبراتا تھا۔ لیکن آج شاید قدرت اس پر مہربان تھی، وہ اس وقت جس شخص کی نگرانی کر رہا تھا وہ اس سے بھی زیادہ پارہ صفت ثابت ہوا۔

سر رحمان کی کوٹھی کے برابر میں خاصی میدانی جگہ تھی۔ غالباً یہ خالی پلاٹ تھے جن پر عمارتیں ابھی تعمیر نہیں کی گئی تھیں۔ عرصہ سے زمین بے کار پڑی ہوئی تھی۔ اس لیے خودرو جھاڑیاں اگ آئی تھیں۔ صفدر نے اس شخص کو اسی طرف جاتے دیکھا۔

اس نے پہلے تو وہیں کھڑے رہ کر کوٹھی کی نگرانی جاری رکھنے کا ارادہ کیا لیکن پھر کچھ سوچ کر اس شخص کے تعاقب میں لپک پڑا۔

وہ انتہائی دبلے پتلے جسم کا طویل القامت شخص تھا۔ جام سا گرم سوٹ پہنے ہوئے، ناک خاصی لمبی تھی، جسے دور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کی ایک ایک حرکت سے اضطرار کا انداز ہوتا تھا۔ صفدر نے محسوس کیا کہ وہ شخص ماہر نشانچی ہوگا۔

یہ خیال شاید اسے اس لیے آیا تھا کہ اس نے اس شخص کو کئی مرتبہ بغل میں چھپی ہوئی کسی چیز کو ٹٹولتے دیکھ لیا تھا۔ قوی امکان تھا کہ اس کے بغلی ہولسٹر میں ریوالور موجود ہے۔ بار بار ریوالور کی موجودگی کا احساس دو ہی صورتوں میں ممکن ہو سکتا تھا۔ ایک تو بے پناہ خود اعتمادی کہ جب بھی موقع آیا، اپنے ریوالور کو استعمال میں لے آئے گا۔ دوسری اضطراری کیفیت۔ جس کا شکار بار بار کسی سہارے کی موجودگی کا احساس کر کے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

صفدر کے ذہن میں ایک ہلکا سا خدشہ سر اٹھانے لگا۔ اس شخص کے انداز سے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ نگرانی کرتے کرتے اکتا گیا ہو اور اب کسی فیصلہ کن مرحلے کو ذہن میں رکھ کر کچھ کرنے کے ارادے سے، عمارت کے عقبی حصے کی طرف جا رہا ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں بار بار صفدر کے ذہن میں ایکسٹو کا وہ جملہ گھوم جاتا تھا۔ ایکسٹو نے بڑے واضح لفظوں میں اسے حکم دیا تھا کہ لاش کو کسی بھی حالت میں تنہا نہ چھوڑے۔ اس حکم کے مطابق اسے کسی نہ کسی طرح لاش سے قریب ہونا

چاہیئے تھا۔ ایسا ممکن نہ ہو تو اُسے مین گیٹ کی نگرانی کرنی چاہیئے تھی۔ ایسے میں اُسے ایکسٹو پر بے تحاشہ تاؤ آگیا۔ صفدر کی دانست میں ایکسٹو کو ان مواقع پر ایک سے زائد آدمی مقرر کرنا چاہیئے تھے۔ اس نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے اور سڑک پر یونہی ٹہلتا ہوا اس حصے تک پہنچ گیا جہاں دائیں طرف نشیبی جھاڑیوں میں وہ شخص غائب ہوگیا تھا۔

جھاڑیاں چھدری چھدری تھیں اس لیے ان کے درمیان چلتے ہوئے کسی قسم کی آواز پیدا ہونے کا خدشہ نہیں تھا۔ پھر جھاڑیاں تقریباً قدِ آدم بھی تھیں۔ یہ بھی خیر ہوئی ورنہ بچوں کی طرح گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا...

صفدر نے دائیں بائیں دیکھا۔ کچھ فاصلے پر پیچھے جنرل اسٹور کے پاس ایک موٹر سائیکل تھی اور جنرل اسٹور کا مالک دکان میں جھکا کسی کام میں مصروف دکھائی دیا۔ سوائے سر رحمان کی کوٹھی کے گیٹ پر کھڑے ہوئے سپاہیوں کے کوئی اور متنفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ صفدر خاموشی سے جھاڑیوں میں اتر گیا۔ اب وہ بڑے ہی محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکل کر اس کے دائیں ہاتھ میں آگیا تھا۔ بے آواز چلتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا۔ آخر ایک جگہ وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک جھاڑی کی طرف منہ کیے وہی شخص بیٹھا دکھائی دیا۔ صفدر نے ریوالور کی نال اس کی طرف اٹھادی اور اُسے زد میں لیکر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

وہ شخص ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ صفدر کو ہلکی سی سرسراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ حیران تھا کہ وہ شخص کیا کر رہا ہے اور جب اسے معلوم ہوا تو ایک جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر دوڑ گئی اور پھر جھلا کر اس نے ارادہ کیا کہ پوری قوت سے ریوالور کا دستہ اس شخص کی کھوپڑی پر مارتا رہے یہاں تک کہ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہوجائے۔

طویل القامت شخص نے بڑے ہی مطمئن انداز میں اٹھ کر کپڑے درست کیے اور اِدھر اُدھر چوکس نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر وہ آگے بڑھ گیا۔ صفدر بھی اس کے پیچھے ہی لپکا۔ اب اُسے اطمینان ہوگیا تھا کہ وہ شخص واقعی کسی پُراسرار کارروائی کے لیے جارہا ہے۔

ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ صرف جھاڑیوں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ تھی اور وہ بھی ہوا کے اُن جھونکوں کی وجہ سے جو کبھی کبھی اٹکھیلیاں کرتے ہوئے گزر جاتے تھے۔

صفدر بے حد محتاط ہوگیا تھا۔ اس شخص کے بارے میں اس کا اندازہ درست ثابت ہو رہا تھا کہ وہ انتہائی ہوشیار اور محتاط آدمی ہے۔ صفدر نے چند ہی قدم چل کر محسوس کر لیا کہ وہ بار بار رُک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے۔ اس نے سیکرٹ سروس کی سروس کے دوران شاید ہی اس قدر محتاط آدمی دیکھا ہوگا۔ نتیجتاً اُسے بھی مزید محتاط ہو جانا پڑا۔ ہر طرف سے مطمئن لیکن بے قرار طویل القامت شخص سر رحمان کی کوٹھی کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ اس طرف جھاڑیاں کچھ گنجان سی تھیں۔ پچھواڑے ایک درخت تھا جس کی موٹی موٹی شاخیں چھت پر جھکی ہوئی تھیں۔ صفدر نے فوری طور پر یہی سوچا کہ وہ عمارت میں گھسنے کا ارادہ کر رہا ہے لیکن جب اس نے طویل القامت شخص کو آلتی پالتی مارے درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا تو حیرت سے دم بخود جہاں کا تہاں رہ گیا۔ اس نے ایک گھنی جھاڑی میں جگہ بنائی اور اطمینان سے بیٹھ گیا۔

اس شخص نے جیب سے ایک عجیب وضع کا چھوٹا سا آلہ برآمد کیا اور پھر دوسری جیب سے ایک گول سکہ نکالا۔ صفدر نے غور سے دیکھا وہ تانبے کا ایک گول قرص تھا۔ اس نے تھوڑا سا اُٹھ کر پوری قوت سے تانبے کے قرص کو اوپر پھینک دیا۔ سکہ گرنے کی ہلکی سی کھنک سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ صفدر غور سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔

اس نے جیب سے نکالے ہوئے آلے سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی۔ اور پھر صفدر کو دھیمی سی آواز سنائی دی۔

"میں ٹوٹی بول رہا ہوں پاس ؟"

دوسری جانب سے نہ جانے کیا آواز سنائی دی۔ صفدر نے ایک طویل سانس لی اور مزید غور سے شخص اسی کی گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ دبے دبے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "میں نے ایزار سنگ ڈسک او کیہ

پھینک دی ہے جناب۔ ابھی تک لاش کو نہیں لے جایا گیا اور نہ ہی اندر سے کسی قسم کی کوئی اطلاع ملی ہے۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر اس کی آواز صفدر کی سماعت سے ٹکرائی "نہیں باس۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوران میں بھی لاش کو نہیں لے جایا گیا ہوگا۔ میں ابھی دیکھتا ہوں۔ ڈسک سے اندر کی تمام گفتگو یہاں بہ آسانی سنائی دے گی۔ جی ہاں۔ . . میں دوبارہ آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔ پلیز بی اون دی لائن۔"

اس نے ٹرانسمیٹر جیب میں رکھ کر ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکالی۔ ڈبیہ کھول کر اس میں سے چھوٹے چھوٹے تار نکال کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیے۔ تاروں کے سروں پر ایئر پیس تھے۔ اس نے دونوں کو اپنے کانوں سے لگا لیا اور غور سے سننے لگا۔

اس دوران صفدر چپکا بیٹھا اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ یکایک اس نے دبلے پتلے شخص کے چہرے پر جوش کے آثار دیکھے۔ وہ بڑے غور سے کچھ سن رہا تھا۔ غالباً اسی تانبے کی ٹکیہ کی وجہ سے وہ کوٹھی کے اندر ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔

صفدر اس کے چہرے پر چھائے ہوئے جوش کے اثرات کو فوری طور پر کوئی معنی نہیں پہنا سکا لیکن جب اس نے پھرتی سے ایئر پیس کے تاروں کو کانوں سے الگ کر کے ڈبیہ میں بند کر لیا اور اٹھ کر تیزی سے کھڑا ہو گیا تو صفدر سمجھ گیا کہ وہ واپس جانے والا ہے اور اس بات کی تصدیق بھی فوراً ہی ہو گئی۔

دراز قامت شخص نے جیب سے وہی پُراسرار آلہ نکالا جس کے ذریعے وہ کسی باس سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا تو صفدر جھاڑی سے نکل کر اس حصے میں پہنچ گیا، جہاں سے سڑک پر پہنچنے کے لیے بھول بھلیوں کا آغاز ہوتا تھا۔ اس شخص نے ٹرانسمیٹر پر صرف ایک ہی جملہ کہا تھا "لاش جانے کے لیے تیار ہے۔ ممکن ہے ہم راستے ہی میں اسے حاصل کر لیں۔"

صفدر کے ذہن میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں اور اسے تاؤ آگیا کہ اس وقت اتفاق سے وہ عام سی گھڑی پہنے ہوئے تھا۔ بار بار اس کا ذہن ایک ہی گردان کر رہا تھا کہ کاش اس وقت اس کے پاس واچ ٹرانسمیٹر ہوتا۔

ٹرانسمیٹر جیب میں رکھ کر وہ دبلا پتلا آدمی انتہائی تیز رفتاری سے سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔ صفدر اس سے پہلے ہی آگے بڑھ چکا تھا۔ بلکہ کچھ آگے آکر تو اس نے پنجوں کے بل بھاگنا بھی شروع کر دیا۔

سڑک پر صفدر اس شخص سے چند سیکنڈ پہلے ہی پہنچ گیا اور پھر یہی مختصر سا وقفہ اس نے اپنی موٹر سائیکل تک پہنچنے میں صرف کر دیا۔ دراز قامت شخص سڑک پر آیا اور اس سے چند ہی لمحے بعد ہی سیاہ وین اس کے پاس آکر رک گئی، جسے صفدر کچھ دیر قبل دیکھ چکا تھا۔ وہ شخص وین میں بیٹھ گیا۔

صفدر موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کوٹھی کے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت اسے سر سے پاؤں تک پسینہ آرہا تھا۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ لوگ سر رحمان کی لاش حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اب صفدر کے لیے سوچنے کی صرف ایک ہی بات تھی کہ وہ ایکسٹو کو کس طرح اطلاع دے۔ نہ جانے کیوں اسے یقین ہو گیا کہ وہ لاش لے جانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن جب اس نے کوٹھی کے گیٹ کی طرف دیکھا تو جی چاہا کہ نعرہ لگا کر ناچنا شروع کر دے۔

سب سے پہلے دو موٹر سائیکل سوار پولیس انسپکٹر دکھائی دیئے۔ ان کے عقب میں پوسٹ مارٹم کیلئے لاش لے جانے کی مُردہ گاڑی پھر ایک مسلح سپاہیوں سے بھرا ہوا ٹرک تھا۔ اس کے بعد پولیس جیپ اور دو کاریں بھی تھیں۔

صفدر کو یقین ہو گیا کہ وہ لوگ لاش کو راستے سے غائب نہیں کر سکتے۔ اس اطمینان کے ساتھ اس نے سیاہ وین کی طرف دیکھا جو فوراً ہی واپس مڑ کر یہ جا وہ جا۔ اس کا جی تو یہی چاہا کہ موٹر سائیکل کو وین کے تعاقب میں ڈال دے لیکن پھر اسے اپنے کام سے کام رکھنے کا خیال آیا اور اس نے موٹر سائیکل کو کک لگائی۔ انجن غرّا کر اسٹارٹ ہوا۔ اگلے ہی لمحے وہ مطمئن انداز میں سیٹی بجاتا ہوا پولیس والوں کے قافلے کا تعاقب کر رہا تھا۔

❖

حاتم علی کو جیگر کے بارے میں آتے خاصے دن ہو گئے تھے۔ اس دوران دارالحکومت کن کن ہنگاموں کا شکار

رہا، اس کی اُسے خبر تک نہ ہو سکی۔ ادھر اُس پُراسرار شخص کی تلاش جان کا روگ بن گئی تھی اُسے یقین ہو گیا کہ وہ شخص اب کبھی دکھائی نہیں دے گا۔ جیگر نے اس پر اس حد تک اعتماد کر لیا تھا کہ وہ اُسے اپنا استاد تک کہہ دیا کرتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس نے اپنے پُراسرار گروہ میں شامل ہونے کی پیشکش کر دی تھی جسے حاتم نے قدرے پس و پیش کے بعد قبول کر لیا تھا۔

اور اس کے بعد اسے بھی اس پُراسرار آواز سے سابقہ پڑا۔ وہی پُراسرار اور سرسراتی ہوئی آواز جسے اس نے ٹائلٹ میں چھپ کر سُنا تھا۔ حاتم پر یہ چیز تو خوب عیاں ہو گئی تھی کہ وہ کوئی بہت ہی خطرناک تنظیم ہے جس کے باس کی شخصیت ابھی تک پوشیدہ تھی۔ گروہ میں شامل ہوئے چھ روز ہوئے تھے۔ اس دوران، تین مرتبہ اسے باس سے ہمکلام ہونے کا موقع ملا۔ باس نے ابتدا میں ہی، شہر کے ایک بہت بڑے رئیس کی تجوری توڑنے کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ حاتم کو ہنسی تو آئی لیکن اپنے رول میں مزید جان ڈالنے کے لیے اس نے وہ حرکت بھی کی۔ یعنی قانون کا محافظ ایک سیٹھ کی تجوری توڑنے پر مجبور ہو گیا۔

حاتم کی دانست میں وہ کام محض اس لیے اس کے سپرد کیا گیا تھا کہ وہ لوگ اسے آزمانا چاہتے تھے اور یہ بھی ممکن تھا کہ باس کو اس کی شخصیت پر شبہ ہو گیا ہو اور اس نے محض یہ اطمینان کرنے کے لیے حاتم کو تجوری توڑنے بھیج دیا کہ وہ اس کام میں واقعی مہارت رکھتا ہے یا نہیں۔ لیکن ایک بات جو حاتم نے تجوری توڑنے کے فوراً بعد ہی محسوس کر لی، یہ تھی کہ ان لوگوں نے اس کے خلاف بلیک میلنگ کا مواد جمع کر لیا ہے اور یہ کھڑاگ محض اسی مقصد کے لیے پھیلایا گیا ہے۔ عین اس وقت جب کہ وہ تجوری سے رقم نکال رہا تھا، اس نے فلیش بلب کا جھماکا سا محسوس کیا تھا۔ وہ اس وقت چونکا بھی لیکن جلد ہی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس لیے مزید دیکھ بھال کی گنجائش ہی ختم ہو جاتی تھی۔

اگرچہ وہ تجوریاں کھولنے میں خاصی مہارت رکھتا تھا، تاہم اس مشن پر جانے سے قبل اُسے ایک دھڑکا بہر طور لگا رہا... اور وہ یہ کہ اگر خدانخواستہ کسی چکر میں پھنس کر وہ پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ گیا تو ایکسٹو کو کیا جواب دے گا۔ اب تک کی کارروائی خود اس کی اپنی ہی مرضی کی رہینِ منت تھی، ایکسٹو کو اس کے بارے میں قطعاً کوئی اطلاع نہیں تھی۔ اس لیے حاتم نے فیصلہ کر لیا کہ مزید کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ایکسٹو کو آگاہ کر دے ورنہ کچھ عجب نہیں کہ وہ اپنے قہر و غضب سے اس کا حلیہ ہی بگاڑ دے۔

حاتم کو ایک ایسے تاریک کمرے میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا جہاں وہ خود تو ایک روشن دائرے میں بیٹھا تھا جبکہ اس کا نیا اور پُراسرار باس اندھیرے میں رہا۔

اس کمرے سے واپسی کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ کسی بہت ہی منظم اور تخریب کار تنظیم سے ٹکرایا ہے۔ اور اس اتفاق پر وہ کئی مرتبہ دل ہی دل میں خوش ہو چکا تھا کہ بے کاری کے ان دنوں میں بھی کچھ کام تو کر ہی رہا ہے۔

اگرچہ حاتم نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس تنظیم سے خود ہی نپٹے گا لیکن بعد میں اُسے اس خیال پر نظرِثانی کرنا پڑی۔ اس نے محسوس کیا کہ ایکسٹو کو باخبر رکھنا ضروری ہے۔ آخر وہ اس کا باضابطہ چیف تھا۔ اس حال میں یہ غیر ذمے داری کہلاتی کہ اس کا چیف اس کی مصروفیات سے بے خبر رہے۔ اس نے ضروری سمجھا کہ ایکسٹو کو مطلع کر دے لیکن ایک خیال پس منظر میں موجود رہا اور وہ یہ کہ ایکسٹو سے تنہا کام کرنے کی درخواست کرے گا۔ بظاہر تو کوئی ایسی وجہ دکھائی نہیں دیتی تھی کہ اس کی خواہش کو رَد کر دیا جاتا۔ شاید اسی وجہ سے وہ حد درجہ مطمئن ہو گیا تھا۔

وہ اس وقت بار میں بیٹھا وِھسکی کی چُسکیاں لے رہا تھا۔ چسکیاں یوں کہ جیگر نے اپنی دوستی کا واسطہ دے کر اس سے درخواست کی تھی کہ وہ خالص وِھسکی نہ پیا کرے۔ حاتم دل ہی دل میں مسکرایا اور اس بات کو مان لیا۔ ظاہر ہے اسے اس بات سے کیا فرق پڑتا تھا۔ ہاں اتنا سا فرق ضرور ہو سکتا تھا کہ اسے حلق میں بلاٹنگ ٹیبلٹ نہیں رکھنا پڑے گی۔

یہ اس کے کردار کا عجیب و غریب پہلو تھا کہ اب تک وہ وہاں کی ایک بھی لڑکی سے بے تکلف نہیں ہوا تھا۔ قمار خانے کے برابر میں اس نے وہ عشرت کدہ تو پہلے ہی دن دیکھ لیا تھا جہاں کے در و دیوار نہ جانے کتنی سسکیوں، کتنی آہوں، کتنی فریادوں کی داستانیں چھپائے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے ہنری۔ بہت اداس بیٹھے ہو۔" جیگر کی آواز سنائی دی۔

"اوہ" حاتم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "آؤ جیگر۔ بس یونہی بیٹھا ہوا تھا۔"

"کچھ الجھے الجھے سے محسوس ہوتے ہو۔"

"نہیں۔ بس یونہی کچھ بے کیفی سی محسوس ہو رہی ہے۔"

"بے کیفی" جیگر نے کہا۔ اور کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"بڑے ظالم ہو ہنری۔ کیوں اپنی ذات پر ظلم کرتے ہو۔ میری طرف دیکھو۔ میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ لیکن میری زندگی میں بے کیفی نام کو بھی نہیں۔ کسی خاتون کی موجودگی تم جیسے نوجوانوں کے لیے بہت ضروری ہوتی ہے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" حاتم مسکرایا۔ "بس یونہی کبھی کبھی بے نام اداسی ذہن پر سوار ہو جاتی ہے۔"

"تنہائی" جیگر پر تشویش لہجے میں بولا۔ "تنہائی زہر ہے ہنری۔ اس نے بڑے بڑوں کو موت کے بھیانک جبڑوں میں پہنچا دیا یا دیوانہ بنا کر چھوڑا۔"

"یار تم نے تو خطابت شروع کر دی۔ بس اب جانے دو۔" حاتم جھلا کر بولا۔

"میں تو تمہیں مشورہ دوں گا کہ کسی کو ساتھی بنا کر دیکھو۔ ذہن پر سوار یہ اداسی کائی کی طرح چھٹ جائے گی۔"

"گھناؤنی باتیں نہ کرو۔" حاتم غرایا۔

جیگر ہنسنے لگا۔ حاتم کا یہی روپ اس کے اعصاب پر بھاری پڑتا تھا۔ وہ جب بپھرا ہوا کر شیر کی طرح گرجتا تھا تو جیگر جیسے بے جگر آدمی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ جاتی تھی اور پھر وہ سوائے بے بسی سے ہنسنے کے وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کھسیا کر ہنسنا شروع کر دیا۔ "بہت مانو یار کبھی تو یہ کفر بھی ٹوٹے گا ہی۔"

"میں سوچتا ہوں کہ آج دارالحکومت گھوم آؤں۔ ذرا طبیعت بہل جائے گی۔"

"ضرور۔ آج باس بھی نہیں آئے گا۔" جیگر نے جواب دیا۔

"کیوں۔ باس کیوں نہیں آ رہا۔" حاتم چونک کر بولا۔

"کچھ باتیں ابھی ضابطے کی مجبوری کے باعث تم سے پوشیدہ رکھی جا رہی ہیں۔ تم اس کی زیادہ پرواہ مت کیا کرو۔ باس اب دن بدن تم سے مطمئن ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں اس بات کو پسند نہیں کرتا جیگر۔ محض تمہارے مجبور کرنے پر میں نے خود کو پابند کر لیا ہے ورنہ سچ پوچھو تو میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ بار بار۔ ہر موقع، ہر قدم پر میرے جذبات کی توہین ہو رہی ہے۔ اگر ایسا ہوتا رہا تو کسی دن اپنی دنیا میں واپس چلا جاؤں گا۔ تم نے مجھ پر نہ جانے کیا جادو کر رکھا ہے جیگر کہ تم سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا۔" حاتم نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"سنو تو ہنری۔ تم تو بچوں کی طرح بات بے بات پھر اکھڑ جاتے ہو۔"

"نہیں۔ یہ بچکانہ حرکت نہیں حقیقت ہے۔ میں ان دیکھے آدمیوں کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کرتا۔ یہ لوگ دوسروں کو چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وقت آنے پر خود گدھے کے سینگ کی طرح غائب اور ساتھی عمر بھر قید خانے میں۔"

"یہ باغیانہ گفتگو ہے ہنری۔" جیگر سنجیدگی سے بولا۔ "اس قسم کی گفتگو کا ایک لفظ بھی باس کے کانوں تک پہنچ گیا تو بہت برا ہو گا۔"

"ہونے دو۔ میں ان باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ پھر تم مجھے بتاؤ جیگر بھلا مجھے کیا پڑی ہے کہ لوگوں کی تجوریاں توڑ توڑ کر دوسروں کا گھر بھروں۔ میں اپنے پیٹ کا غلام ہوں۔ جب جی چاہا کام کیا ورنہ موج اڑاتا پھرا۔ تمہاری محبت نے مجھے قید کر دیا ہے۔"

"ہاں دوست۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم میری وجہ سے قید ہو کر رہ گئے ہو۔ لیکن باس کے بارے میں کوئی برا خیال مت لاؤ۔ باس اپنے آدمیوں کو پولیس کے ہاتھوں میں کبھی نہیں جانے دیتا۔ کم از کم میرے سامنے تو ایک بھی مثال نہیں ہے۔"

"کیا گولی مار دیتا ہے؟"

"نہیں۔" جیگر پلکیں جھپکا کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

حاتم ہنسنے لگا۔

"میں ہر وقت تمہارے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ تم بڑے ہی عجیب آدمی ہو۔"

"ہر شخص میرے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے۔" حاتم نے لاپروائی سے کندھے جھٹکے۔ "لیکن تم نے باس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

جیگر کے چہرے پر تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے۔

"سنو جیگر۔" حاتم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اگر تم مجھے مکمل حالات سے آگاہ نہیں کرتے تو آج سے ہماری دوستی ختم۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"تم نے مجھے عجیب امتحان میں ڈال دیا ہے۔" جیگر بڑبڑا کر رہ گیا۔

"میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکا ہوں۔"

"اچھا پوچھو۔ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟" جیگر نے بے بسی سے کہا۔ "میں اب تم سے جدا نہیں ہو سکتا۔ تم مجھ سے بہت قریب آ چکے ہو۔"

"تم مجھے اس تنظیم کے بارے میں بتاؤ۔ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟"

"مقصد..." جیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "بس ایک تنظیم ہے جس کا مقصد تو خود میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ دراصل باس نے اس بات کی سختی سے ہدایت کر رکھی ہے کہ کوئی آدمی غیر ضروری باتیں ذہن میں نہ لائے۔ بہر طور باس ایک خاص تجربہ کر رہا ہے۔ یہ بات مجھے بس یونہی کہیں سے معلوم ہوئی ہے۔ کچھ سائنسی چکر ہے۔"

دفعتاً حاتم کی نگاہ دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ بار میں ایک شخص داخل ہو رہا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر جیگر کی طرف جو اچٹتی ہوئی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"یہ کون ہے جیگر؟" حاتم کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے دریافت کیا۔

"ذی۔ ڈیما۔" جیگر نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیا تم اسے جانتے ہو؟"

"ہاں۔ اپنا ہی آدمی ہے۔"

حاتم نے ایک مرتبہ پھر اس شخص کی طرف دیکھا۔ سو فیصد وہی شخص تھا جس کے تعاقب میں وہ جیگر کے بار تک آیا تھا۔ ذی ڈیما نام بھی اسے کچھ مانوس سا محسوس ہوا۔

"گروہ میں اس کی کیا حیثیت ہے؟"

"محض ایک کارکن کی۔ لیکن دوست اس شخص کی ذہانت میں کلام نہیں۔ باس اس کے مشورے کو حرف آخر خیال کرتا ہے۔ کچھ دنوں بعد تمہیں خود بھی محسوس ہو جائے گا کہ ذی ڈیما انسان نہیں کوئی شیطانی روح ہے۔"

"ہوں۔" حاتم نے ہنکارا بھرا اور اس شخص کی طرف ہی متوجہ رہا۔ وہ اس وقت خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں خیالات کا ایک طوفان تھا۔ امنڈتا ہوا طوفان۔ اس نے جیگر کی طرف دیکھا جو سگریٹ کے گہرے کش لگاتا ہوا نیم باز نگاہوں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" جیگر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

"میرا خیال ہے تم ذی ڈیما کی شخصیت میں کھو گئے ہو۔" جیگر مسکرایا۔ "آج رات یہ ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دینے والا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو مجھے معلوم نہیں۔ باس نے اسے گوگنڈی کے علاقے میں بلایا ہے۔ میرا خیال ہے آج دونوں مل کر کوئی لمبا ہاتھ مارنے کے چکر میں ہیں۔ رات غالباً یہ وہاں پہنچے گا۔ ویسے بھی یہاں یہ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے۔"

"ہوں۔" حاتم نے مسکرا کر انگڑائی لی۔ "اچھا یار۔ چلوں پھر۔"

"رات تک واپس تو آ جاؤ گے نا؟"

"یقیناً... آج کچھ ہاتھ بھی کھجا رہا ہے۔ میرا خیال ہے بلا توشی ویٹش کوشی کے بعد ایک دو راؤنڈ آج آپس ہی میں ہو جائیں۔ کیا کہتے ہو؟"

"تم سے کیا جیت لوں گا۔ میرا خیال ہے مجھے تو بخش ہی دو۔"

حاتم مسکراتا ہوا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ذی ڈیما اس وقت تک غائب ہو چکا تھا۔ بہر طور حاتم نے سوچا کہ اس کا کام ختم ہو گیا۔ اب شاید اسے

واپس آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ڈی ڈیما پولیس کے
ہاتھ لگ جائے گا۔ ایکسٹو کو اطلاع دینے کے بعد تو یہ
بات طے ہی تھی۔ باہر نکل کر اس نے ایک ٹیکسی لی اور
دارالحکومت کی طرف روانہ ہو گیا۔ دارالحکومت پہنچنے
تک اس نے کئی مرتبہ اس بات کا اندازہ لگانے کی
کوشش کی کہ کہیں اس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ اس
سے پیشتر وہ تین مرتبہ دیکھ چکا تھا کہ گروہ میں شمولیت
کے بعد اس کی ایک ایک حرکت کا خیال رکھا جاتا ہے۔
شاید اسی لیے اس نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ کسی طور
بھی نگرانی کرنے والے کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔
آج کوئی اس کے تعاقب میں نہیں تھا۔ گویا تنظیم اس
کی طرف سے مطمئن ہو گئی تھی۔ اس خیال کے آتے
ہی اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔
دارالحکومت پہنچ کر اس نے سب سے پہلے ایک ٹیلیفون
بوتھ کا رخ کیا۔ مشین میں سکے گرائے اور ایکسٹو کے نمبر
ڈائل کرنے لگا۔ جلد ہی دوسری طرف سے سلسلہ مل گیا۔

"ایکسٹو۔؟"

"میں حاتم بول رہا ہوں، جناب۔"

"میں اپنے ماتحتوں کی آواز خوب پہچانتا ہوں۔"
ایکسٹو خشک لہجے میں بولا۔

"سر... میں ایک شخص ڈی ڈیما کے بارے میں
کچھ اطلاع دینا چاہتا ہوں۔" حاتم نے ایک طویل سانس
لے کر رومال ٹٹولنا شروع کر دیا۔ ایکسٹو کی خشک آواز
بڑے بڑوں کا پسینہ نکال دیتی تھی۔ بے چارے حاتم
کی بساط ہی کیا تھی۔

"ڈی ڈیما۔" ایکسٹو نے دہرایا۔ لہجے سے فکر کا
پتہ چلتا تھا۔ "اوہ۔ آئی سی۔ ہاں کہو کیا بات ہے۔"

"وہ آج رات کو لنگڑی کے علاقے میں جانے والا ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"

"مجھے افسوس ہے جناب۔ میں اس سے پہلے آپ
کے ساتھ رابطہ قائم نہیں کر سکا۔ دراصل میں نے اُسے
اچانک ہی دیکھ لیا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا لیکن
اسے کھو بیٹھا۔ اس کے بعد اب تک میں اُسی کے چکر
میں رہا ہوں۔"

"کہتے رہو میں سن رہا ہوں۔" ایکسٹو غرایا۔

جواباً حاتم نے جیگر کے بارے میں جاننے اور گروہ میں
شامل ہونے تک کے تمام حالات سنا ڈالے۔

کچھ دیر دوسری طرف خاموشی رہی۔ حاتم کا دل
دھڑکنے لگا۔ وہ سمجھا کہ شاید ایکسٹو اس کے لیے کوئی
مناسب سزا تجویز کر رہا ہے۔ ظاہر ہے اس نے اپنے
چیف کو لاعلم رکھ کر کئی کام کیے تھے۔ ایسے کاموں کے
نتائج بڑے بھی نکل سکتے تھے۔

"بہت خوب۔ مجھے خوشی ہے حاتم... تم بہت
اچھے جا رہے ہو۔"

"شکریہ... تھینک یو سر۔" حاتم ہکلانے لگا۔

"تم اسی تنظیم سے چپکے رہو۔ میں دیکھوں گا کیا
معاملہ ہے۔"

"او کے سر۔" حاتم نے ریسیور رکھ دیا۔ بوتھ سے باہر
نکل کر اس نے چاروں طرف متلاشی نگاہوں سے دیکھا
اور اطمینان سے سیٹی بجاتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔



"ہیلو زبیری۔ کیسے ہو؟"

"ارے سید تم۔ آج اتنے عرصے بعد کیسے راستہ بھول گئے؟"
ڈاکٹر زبیری نے صفدر کو دیکھتے ہی ہانک لگائی۔ "برسوں
کے بعد صورت دکھائی دی ہے۔ اب بتاؤ عید کا چاند
کہوں یا کچھ اور؟"

"بس یار... مصروفیت... کہاں جا رہے ہو؟"

"چھٹی۔ آج کل مارننگ ڈیوٹیاں چل رہی ہیں۔ آؤ
کینٹین میں چلیں۔"

"نہیں۔ بس تم یہ اوور آل مجھے دے دو۔ اور
اسٹیتھو اسکوپ بھی۔"

"کیوں۔ کسی مریض کو دیکھنا ہے یا ریہرسل کا ارادہ
ہے۔"

"بس یوں ہی۔ تم تو جانتے ہو، اپنی لائن ہی ایسی
ہے۔ ویسے معاملہ لڑکی کا ہے۔ بڑے عرصے سے پریشان
کر رہی ہے۔"

"اوہ۔ کیا اسی اسپتال میں داخل ہے۔ کون سے
وارڈ میں؟"

"میں دیکھ لوں گا۔ تم یہ دونوں چیزیں تو مجھے دے
دو۔" صفدر نے ہاتھ بڑھا کر اسٹیتھو اسکوپ ڈاکٹر زبیری

کے گلے سے اتار لیا۔ زبیری نے مسکراتے ہوئے اوور آل بھی اتار کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"او یار۔ تم بھی کیا یاد کرو گے، کب تک شادی کا ارادہ ہے؟"

"بس اسپتال سے سیدھے نکاح خواں کے پاس ہی جائیں گے۔ ٹاٹا۔" صفدر ہاتھ ہلاتا ہوا اس طرف بڑھ گیا، جدھر زنانہ وارڈ تھے۔ کچھ آگے جا کر اس نے کندھوں پر سے پیچھے دیکھا۔ ڈاکٹر زبیری جا چکا تھا۔

ادھر سے مطمئن ہوتے ہی وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا ہوا مردہ خانے کی طرف بڑھ گیا۔ سر رحمان کی لاش بحفاظت پوسٹ مارٹم کے لیے پہنچ گئی تھی۔ غالباً پولیس کو بھی شبہ ہو گیا تھا کہ لاش کو غائب کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ شاید اسی لیے انھوں نے اس قدر احتیاط کا مظاہرہ کیا۔ یا پھر ممکن ہے ایکسٹو نے ہی اس قسم کی کوئی ہدایت دی ہو۔ وہ سیاہ دین جو لاش کے روانہ ہوتے ہی دکھائی دی تھی، پھر نظر نہیں آئی۔ اس کے باوجود صفدر کو یقین ہو گیا کہ لاش کو کسی بھی وقت غائب کرنے کی کوشش ضرور کی جائے گی۔ وہ حیران تھا کہ سر رحمان کی لاش میں مجرموں کی دلچسپی کیا معنی رکھتی ہے۔ بظاہر ہے اُسے قتل کرنا مقصود تھا، قتل کر دیا گیا۔ اب لاش کو غائب کرنا کچھ عجیب اور پُراسرار سا معاملہ تھا۔ اگر انھیں لاش کی اتنی ہی ضرورت تھی تو وہ لوگ اُسے قتل کرنے کے فوراً بعد کیوں نہیں لے گئے؟ وہ سوچتا رہا اور الجھتا رہا۔

اوور آل اور اسٹیتھو اسکوپ کی موجودگی میں اُسے اسپتال میں گھومنے پھرنے میں قطعاً کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ پوسٹ مارٹم کے شعبے میں داخل ہوتے وقت اُسے ایک مسلح سپاہی نے ایک نظر دیکھا اور پھر خاموشی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ صفدر اندر داخل ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اُسے معلوم ہوا کہ لاش کا پوسٹ مارٹم اگلی صبح ہی ہو سکے گا۔ اس سلسلے میں جو بات اُسے معلوم ہوئی وہ بھی چونکا دینے والی تھی۔ اس وقت کل تین ڈاکٹر اس کام کے لیے مقرر تھے۔ ایک حادثے میں شدید زخمی ہو گیا۔ دوسرا دورہ پڑنے دارالحکومت سے باہر گیا ہوا تھا اور تیسرے ڈاکٹر کی طبیعت یکایک اتنی خراب ہو گئی کہ پوسٹ مارٹم جیسا کام کسی طور بھی تنہا اس کے بس کا نہیں رہا۔ مجبوراً معاملے کو التوا میں ڈالنا پڑا۔

صفدر نے مردہ خانے میں پہنچ کر سب سے پہلے سر رحمان کی لاش کو تلاش کیا۔ اس وقت وہاں تین لاشیں تھیں۔

صفدر اطمینان سے ان لاشوں کو گھورتا رہا۔ سر رحمان کی لاش کو دیکھ کر نہ جانے کیوں اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ملک کی اس قدر عظیم ہستی یوں یکایک موت کے منہ میں پہنچ گئی ہو گی۔

اس نے رجسٹر میں دوسری دونوں لاشوں کے بارے میں اندراج وغیرہ دیکھے۔ دونوں ہی غیر معروف آدمیوں کی لاشیں تھیں۔ ایک کسی مل لیبر یونین کا سیکریٹری تھا جس کے بارے میں مختصراً لکھا گیا تھا کہ وہ ایک ہنگامے کے دوران موت کے گھاٹ اتر گیا۔ یونین کے ذمے داروں کا بیان تھا کہ اُسے مل مالکان نے ہلاک کیا ہے۔ گولی اس شخص کے عین دل کے مقام پر پیوست ہو کر جسم میں ہی رہ گئی تھی اس لیے پولیس کو بس یہ معلوم کرنا تھا کہ گولی کا نمبر کیا ہے اور اُسے کتنے فاصلے سے چلایا گیا تھا۔ اس سلسلے میں پولیس کے پاس ایک امکانی قاتل موجود تھا جو پولیس کی حراست میں تھا اور وہ اس بات پر مُصر تھا کہ گولی اس نے نہیں چلائی جب کہ اس کے پاس سے ریوالور تک برآمد کر لیا گیا تھا۔

دوسری لاش ایک ایسے آدمی کی تھی جس کی شناخت نہیں ہو سکی۔ اس کی موت بھی کچھ ایسے پُراسرار حالات میں واقع ہوئی کہ پولیس کے لیے لاش کا پوسٹ مارٹم کرانا از حد ضروری ہو گیا تھا۔ صفدر نے اس کی لاش کو ایک نظر دیکھا۔

نہ جانے کیوں اس کے ذہن میں یہ بات ابھر آئی کہ وہ شخص مُردہ نہیں زندہ ہے۔ اور ابھی کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا۔ اور بعد میں معلوم ہو گا کہ وہ شخص بے ہوش تھا۔ لیکن یہ بات قرینِ قیاس نہیں تھی۔ کیونکہ ایک ماہر ڈاکٹر نے اس کی موت کا سرٹیفکیٹ جاری کیا تھا۔

وہ ایک مرتبہ پھر سر رحمان کی لاش کا جائزہ لینے لگا۔ اور مردہ خانے میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ کونے میں اُسے ایک قدِ آدم ڈرم دکھائی دیا وہ دھیرے دھیرے اس طرف بڑھ گیا۔ ڈرم کے قریب پہنچ کر اس نے اندر جھانکا۔ اس میں... چند میلے کچیلے کپڑوں کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی۔

صفدر دبے قدموں دروازے تک آیا اور پھر ایک کمرے سے گزرتا ہوا بیرونی دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ وہاں سیمنٹ کی ایک پھول دار جالی لگی ہوئی تھی۔ چونکہ کمرے میں اندھیرا تھا اس لیے وہ باہر سے دکھائی نہیں دیتا تھا۔ باہر پولیس کا سخت پہرہ تھا۔ دفعتاً بیرونی دروازے پر کھڑے ہوئے رائفل بردار سپاہی کی ایڑیاں بجنے کی آواز سنائی دی۔ صفدر جالی پر جھک گیا اور باہر جھانکنے لگا۔ باہر فیاض کھڑا دکھائی دیا۔ اس کے پہلو میں اس کا ایک ماتحت آفیسر انسپکٹر شاہد کھڑا تھا۔

"کوئی اندر تو نہیں گیا؟" فیاض نے پوچھا۔

"ایک ڈاکٹر صاحب کے علاوہ کوئی نہیں جناب!"

"ڈاکٹر۔ کون سا ڈاکٹر؟" فیاض کا لہجہ تحیر آمیز تھا۔

"معلوم نہیں جناب۔ میں صورت سے تو آشنا نہیں ہوں!"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ ذرا مستعدی سے نگرانی جاری رکھو اور خبردار کسی سے ذرا سی بھی سستی سرزد ہوئی سب کی کھال کھنچوا دوں گا... اس بات کا سو فیصدی امکان ہے کہ قاتل سر رحمان کی لاش کو آج رات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا!"

"لیکن جناب۔ کیا یہ ضروری ہے۔ میرا مطلب ہے، وہ فون کال محض کسی کی شرارت بھی ہو سکتی ہے!" انسپکٹر شاہد کی آواز سنائی دی۔

"نہیں شاہد۔ کسی کو ایسی شرارت کرنے سے کیا فائدہ۔ پھر اگر وہ فون کال بوگس ہی ہوتی تو بھی پولیس کا فرض ہے کہ لاش کی حفاظت کرے!"

"جی ہاں جناب!"

"ڈاکٹر ابھی تک باہر نہیں آیا!" فیاض نے تشکیک سے بھرپور لہجے میں کہا۔ "آؤ شاہد دیکھیں... کہیں کوئی گڑبڑ ہی نہ ہو!"

صفدر نے جلدی سے دائیں بائیں دیکھا اور تیزی سے ایک بند دروازے کی طرف لپکا۔ اس دروازے پر تالا نہیں دکھائی دیا۔ صفدر نے دروازہ دھکیلا اور پھرتی سے اندر گھس گیا۔ دروازہ بند کر کے اس نے اپنی جیب سے محدود روشنی کی ٹارچ نکالی۔ یہ بہت اندھیرا کمرہ تھا۔ باہر اُسے فیاض اور انسپکٹر شاہد کے بھاری بوٹوں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ وہ غالباً مردہ خانے کے اس حصے کی طرف جا رہے تھے جہاں سرد خانے میں لاشیں وغیرہ رکھی گئی تھیں۔

ٹارچ کی محدود روشنی میں صفدر نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ کمرہ پرانے ریکارڈ سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے مطمئن انداز میں سر کو جنبش دی اور ایک طرف بڑھ گیا۔ وہاں ایک طرف کونے میں پرانی فائلوں کا ڈھیر دکھائی دے رہا تھا۔ اسے کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ روشنی بجھا کر وہ فائلوں کے ڈھیر کے پیچھے رینگ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھلا۔ صفدر اور دبک گیا اور پھر اس نے دروازے کی سمت دیکھا۔ دروازے میں فیاض کھڑا تھا۔ یقیناً اس کے پیچھے اس کا ماتحت تھا۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے" فیاض بڑبڑایا۔

"میرا خیال ہے جناب۔ کوئی ڈاکٹر کسی کام سے آیا ہوگا۔ اور پھر اس کی واپسی کے بارے میں نگران سپاہیوں نے غور نہیں کیا!"

"ہاں، کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے لیکن بلاوجہ کسی ڈاکٹر کو اس طرف آنے کی ضرورت کیوں کر پیش آ سکتی ہے" اس کے لہجے میں اس وقت بھی شک اور شبہے کی جھلک محسوس ہو رہی تھی "خیر چلو... یہ گدھے کبھی آنکھیں کھلی نہیں رکھتے۔ کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے شاہد۔ بڑی ذمے داری کی بات ہے۔ اگر سر رحمان کی لاش یہاں سے غائب ہو گئی تو پولیس کی بڑی بدنامی ہوگی!"

"جی ہاں، آپ کا خیال درست ہے۔ اگر مناسب خیال فرمائیں تو میں بھی یہیں رُک جاؤں!"

"ٹھیک ہے تم آج رات یہیں رُک جاؤ۔ اور خیال رکھنا، کوئی غیر ضروری آدمی اندر نہ گھسنے پائے اور

"جو بھی اندر داخل ہو اس کی اچھی طرح تلاشی لے لینا۔"

"آپ بے فکر رہیں جناب۔ میں کسی پرندے کو بھی پر نہیں مارنے دوں گا۔" انسپکٹر شاہد کی مستعدی سے بھرپور آواز سنائی دی۔

فیاض نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ "ٹھیک ہے۔ میں ابھی اسپتال میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ کون سا ڈاکٹر مردہ خانے میں آیا تھا۔ تم اپنی آنکھیں کھلی رکھنا اور کان بھی۔"

"میں اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کرتا جناب۔" انسپکٹر شاہد نے فخریہ لہجے میں کہا۔ پھر صفدر کو دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ دونوں کے قدموں کی آوازیں کمرے کے باہر گونج رہی تھیں۔

صفدر نے قدرے توقف کے بعد فائلوں کا ڈھیر ہٹایا اور باہر نکل آیا۔ اس نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ فیاض دروازہ بھیڑ کر ہی چلا گیا تھا۔ اس نے باہر سے کنڈی لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

صفدر باہر نکل آیا... اور پھر دبے قدموں سے سیمنٹ کی جالی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ باہر انسپکٹر شاہد ڈیوٹی پر کھڑے مسلح سپاہیوں سے گفتگو کرنے میں مصروف تھا۔ اطمینان سے ایک مرتبہ پھر وہ سرد خانے کی طرف بڑھ گیا۔ لاشیں جوں کی توں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں دھیمی روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ صفدر کونے میں رکھے ہوئے ڈرم کی طرف بڑھ گیا... پھر وہ اس کے اندر اتر گیا۔ ڈرم اتنا کشادہ تھا کہ وہ اطمینان سے اس میں بیٹھ سکتا تھا۔

ڈرم میں بیٹھ کر اس نے بغلی ہولسٹر میں رکھے ہوئے ریوالور کو ٹٹول کر اطمینان کر لیا اور پھر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک چھوٹا سوراخ تھا۔ اس نے دائیں آنکھ سوراخ سے لگا دی اور پھر... اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ تینوں لاشیں سوراخ کے عین سامنے تھیں۔ وہ بہ آسانی ان پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ بڑی دیر سے سگریٹ نہیں پیا تھا، اس لیے طبیعت تمباکو نوشی کو چاہ رہی تھی لیکن صفدر نے سختی سے اس خواہش کو دبا دیا۔

وقت چیونٹی کی رفتار سے رینگ رہا تھا۔ صفدر نے ایک طویل سانس لیا اور ایک مرتبہ پھر سوراخ پر جھک گیا۔ اور اس کے بعد ہر دو تین منٹ بعد وہ سوراخ سے لاشوں کو دیکھ لیتا تھا۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ گیارہ بج گئے۔ اس کو ڈرم میں بیٹھے ہوئے کئی گھنٹے گزر گئے تھے اور اب اسے ہلکی سی تھکن کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ جسم تھکن کی وجہ سے اکڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور ٹانگیں تو گویا سن ہو رہی تھیں۔ اس نے سوراخ سے آنکھ لگا کر دوسری طرف دیکھا اور پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا ہو۔

سرد خانے میں پڑی ہوئی تینوں میں سے ایک لاش نے حرکت کی تھی۔ صفدر نے غور سے دیکھا۔ یہ وہی لاش تھی جس کے بارے میں اسے معلوم ہوا تھا کہ غیر شناخت شدہ لاش ہے۔ لاش اٹھ بیٹھی تھی۔ صفدر سانس روکے حیرت سے لاش کو گھور رہا تھا۔ اس کے جسم نے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اگلنا شروع کر دیا تھا۔

لاش نے حرکت کی اور پھر صفدر نے اسے اچھل کر فرش پر گرتے دیکھا۔ لاش اب فرش پر کھڑی تھی۔ صفدر کا ہاتھ بے اختیار بغلی ہولسٹر کی طرف رینگ گیا۔ لاش آہستہ آہستہ حرکت کرتی ہوئی اسی اسٹریچر کے پاس جا کھڑی ہوئی جہاں سر رحمان کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

صفدر نے مزید توجہ سے دیکھا۔ لاش سانس لے رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کیونکہ اس نے لاش کو ایک مرتبہ پھر اسی اسٹریچر کی طرف بڑھتے دیکھا تھا جہاں سے وہ اٹھ کر آئی تھی اور پھر صفدر کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اسٹریچر پر پڑی ہوئی چادر کو ٹٹولا اور کوئی چیز نکال لی۔ پھر اس نے اپنی دائیں ٹانگ سے لبادہ ہٹایا اور پنڈلی پر وہ چیز پھیر دی۔ چند لمحے بعد صفدر نے دیکھا کہ وہ بلیڈ تھا۔

جلد کٹ گئی اور صفدر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

پنڈلی کی جلد کاٹ کر اس نے دونوں انگلیوں سے ایک چیز نکالی۔ صفدر نے غور سے دیکھا وہ سرنج تھی۔ سرنج لے کر لاش ایک بار پھر سر رحمان کی لاش کی طرف بڑھی۔ صفدر نے دیکھا۔ سر رحمان کے بازو میں سرنج میں بھرا ہوا سیال گوں

سیّال منتقل ہو رہا تھا۔ اس دوران اس نے محسوس کیا کہ لاش بے انتہا چوکس ہے۔ گویا ذراسی حرکت پر وہ بھاگ اٹھے گی۔

صفدر کو یقین ہو گیا کہ وہ کوئی حبسِ دم کا ماہر شخص ہے جو شخص سر رحمان کی لاش اڑانے کے لیے خود کو مردہ پوز کر کے مردہ خانے میں آ گیا تھا۔ لیکن چند ہی لمحوں بعد جب اس نے انجکشن کے اثر سے سر رحمان کی لاش کو بھی متحرک دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اب مزید انتظار بے کار تھا۔ وہ بغلی ہولسٹر سے ریوالور کھینچ کر اٹھ گیا۔ "بس دوستو۔ تمہارا ڈرامہ اختتام کو پہنچ گیا۔" صفدر غرایا۔ "اپنے ہاتھ اٹھا کر ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔ ذراسی حرکت بھی کی تو یقیناً تم دونوں اصلی لاشوں میں منتقل ہو جاؤ گے۔"

سر رحمان اور دوسرا شخص چونک کر پلٹے۔ عین اسی وقت صفدر نے اپنے عقب میں ہلکی سی سرسراہٹ سنی۔ وہ پھرتی سے گھوما لیکن اس وقت تک اس کی کھوپڑی پر قیامت ٹوٹ چکی تھی۔ کسی نے پوری قوت سے کوئی وزنی چیز اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر ماری تھی۔ صفدر لہرایا اور دھڑام سے ہی گر گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

❖

عمران نے ریسیور رکھ دیا اور خلا میں کسی نادیدہ نقطے پر نگاہیں جما دیں۔ حاتم کی کال نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ذی ڈیما اور آنڈی لوچی دو نام اس کے ذہن میں چکرا رہے تھے۔ دونوں ہی کمال کے مجرم تھے۔ اس بات کا اقرار عمران کو بھی تھا کہ وہ اپنی ریڈی میڈ کھوپڑی کی تمام تر صلاحیتوں کو آزمانے کے باوجود ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکا تھا۔ ہاتھ ڈالنا تو درکنار اس نے ان کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔ وہ دو نام تھے جو قانون کے حواس پر سوار تھے اور قانون اپنے تمام تر وسائل سمیت ان کی گرد تک پانے میں ناکام ہو گیا تھا۔

اور اب حاتم ذی ڈیما کی راہ پر تھا۔ لیکن حاتم نے اسے کیوں کر پہچانا۔ حاتم کے بیان کے مطابق اسے وہ ایک ایسی پراسرار شخصیت محسوس ہوئی، جس کی عرصہ سے قانون کو تلاش ہو۔ غالباً یہ اس کی چھٹی حس کی لہر ہی ہو گی۔

اس نے معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دی اور فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ریسیور ہاتھ میں لے کر وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا پھر جولیا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ فوراً ہی دوسری طرف سے جولیا کی مترنم آواز سنائی دی۔

"یس... جولیا دس اینڈ۔"

"ایکسٹو۔" وہ اپنی مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"یس سر۔ ایٹ یور سروس۔" جولیا نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

"تمام ممبروں کو حکم دو کہ شام چھ بجے کے فوراً بعد گولکنڈی کے چوراہے اور شاہراہ کی ناکہ بندی کر لیں۔ میں عمران کو بھیج رہا ہوں۔ کمانڈ بھی کرے گا۔ ہر ممبر میک اپ میں ہو گا اور ان کے فیلٹ ہیٹ پر زرد رنگ کا پر ہونا چاہیے۔"

"یس سر۔ میں ابھی آپ کا حکم پہنچا دیتی ہوں۔"

"خیال رہے۔ بہت ہی اہم آپریشن ہے۔ ذرا سی کوتاہی کام بگاڑ سکتی ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں جناب لیکن...۔"

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟" ایکسٹو نے خلافِ توقع نرم لہجے میں پوچھا۔

"یس سر۔ پہلی بات تو یہ کہ حاتم کئی دنوں سے غائب ہے۔ میں اب تک کئی مرتبہ اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر چکی ہوں۔"

"وہ کام کر رہا ہے۔ اور کچھ؟"

"آج کے مشن کے بارے میں اگر کچھ بتا سکیں تو...۔"

"دو بہت ہی خطرناک مجرم اس علاقے میں آ رہے ہیں۔ یہ وہ مجرم ہیں جن کی تلاش میں پولیس کئی مرتبہ ناکام ہو چکی ہے۔"

"اوہ۔ کیا آنڈی لوچی اور ذی ڈیما وغیرہ ہیں جناب؟"

"ہاں۔" عمران نے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی گہری سلوٹیں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان دونوں مجرموں کو گولکنڈی کے علاقے میں آنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کیا وہ پھر تباہی و غارت گری کے کسی

منصوبے کی تکمیل کے لیے میدان میں آ رہے ہیں۔ پھر یکایک اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہُوا۔ سول اسپتال اور آتش گھر وہیں گولکنڈی میں تھا۔

"تو کیا..." وہ بڑبڑایا۔ "کیا ان دونوں کا سر رحمان کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ کیا وہ اس کی لاش کو غائب کرنے کے چکر میں ہیں؟"

"سر رحمان..." وہ بڑبڑایا۔ اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ چار بج رہے تھے۔ گویا ابھی اس کے پاس دو گھنٹے موجود ہیں۔ اس نے مُنہ چلا کر جیب ٹٹولی اور چیونگم کا پیکٹ نکال کر پھاڑنے لگا۔

کچھ دیر وہ جگالی کرتا رہا پھر اُٹھ کر میک اَپ بکس نکال کر سامنے رکھا اور میک اَپ کرنے لگا تقریباً بیس منٹ بعد وہ تیار ہو کر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہُوا اور تنقیدی نگاہوں سے اپنے سراپا کا جائزہ لینے لگا۔ اب وہ کوئی چھٹا ہُوا بدمعاش نظر آ رہا تھا۔ ہونٹوں پر گھنی مونچھیں اور دائیں گال پر آنکھ سے نصف انچ نیچے ایک بڑا سا بھورے رنگ کا مسّہ تھا۔ جو اس کے چہرے کی ہیبت میں اضافہ کر رہا تھا۔ جبڑے کے بائیں حصے پر ایک چاقو کا زخم بھی تھا۔ جو اس کی ٹھوڑی سے اوپر کان تک چلا گیا تھا اور بادی النظر میں اسے دیکھ کر یہی محسوس ہوتا تھا کہ ایک سیدھی سی لکیر کھنچی ہُوئی ہے۔

اس نے میک اَپ سے فارغ ہو کر کپڑوں کی الماری کھولی اور میک اَپ کی مناسبت سے ایک آدھے بازؤوں والی گرم بنیان جس پر دھاریاں بنی ہوئی تھیں، اور سیاہ پتلون نکال لی۔ پتلون پہن کر اس نے ایک نظر آئینے میں دیکھا اور خود کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

سر پر سفید رنگ کی فیلٹ ہیٹ پہن کر اس نے زرد رنگ کا پَر اس کی ایک سائیڈ میں اُڑس لیا۔ پھر میز کی دراز سے ایک سگار نکالا اور دانتوں تلے دبا لیا۔ خود کو ہر طرح تیار پا کر اس نے آخری مرتبہ تنقیدی نگاہوں سے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا اور نیچے اُتر کر سڑک پر آ گیا۔ ہاتھ اُٹھا کر ایک گزرتی ہُوئی

"تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ پولیس والے جنت میں نہیں جا سکتے؟" باپ نے بیٹے سے پوچھا۔
"اس لیے کہ وہاں کرنے کے لیے اُن کے پاس کوئی کام نہیں ہو گا!" بیٹے نے جواب دیا۔

ٹیکسی کو روکا... اور اس کی پچھلی نشست پر تقریباً نیم دراز ہو گیا۔ سگار اس وقت بھی اس کے دانتوں تلے دبا ہُوا تھا۔ آنکھوں میں اب ہلکی ہلکی سُرخی تیرنے لگی تھی۔ بُجھا ہُوا سگار دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہے اور خیالات میں غرقابی کی وجہ سے وہ اُسے سُلگانا بھول گیا ہے۔ ٹیکسی چھوڑ کر وہ چوراہے سے ٹہلتا ہُوا فٹ پاتھ پر آ گیا۔

سب سے پہلے دکھائی دینے والا شخص تنویر تھا۔ اس نے بھی ایک جرائم پیشہ شخص جیسا میک اَپ کر رکھا تھا۔ عمران نے فوراً ہی اُسے پہچان لیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہُوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ہیٹ سے زرد پَر نکال کر جیب میں ڈالا۔ تنویر کے قریب پہنچ کر وہ ایک جھٹکے سے رُکا۔ اور پھر یوں اس کی طرف لپکا جیسے ابھی ایک عدد گھونسہ اس کے جبڑے پر دے مارے گا۔

تنویر نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ عمران کا میک اَپ کچھ اس قدر مکمل تھا کہ تنویر کے فرشتے بھی اسے نہیں پہچان سکتے تھے۔

"کیا آپ کے پاس لائٹر ہو گا؟"

"سگار پینے کا شوق ہے تو لائٹر بھی خرید کر رکھو۔" تنویر غرّا کر بولا۔

"دراصل مجھے ص اور ت سے شروع ہونے والے ناموں سے بہت محبت ہے اور ل سے شروع ہونے والی چیزوں میں بالکل اسی طرح ناپسند کرتا ہوں جس طرح آپ ج سے شروع ہونے والی

لڑکیوں کو میرا مطلب ہے ایسی لڑکیاں جن کا نام ج سے شروع ہوتا ہے آپ کو بہت پسند ہیں۔"

"... تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"ٹائم کیا ہوا ہے۔" عمران نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔ انداز بے ساختہ تھا۔

تنویر بے اختیار وقت دیکھنے لگا۔ اور بولا "سوا چھ بج رہے ہیں۔"

"ہاں۔ پھر تو واقعی میرا دماغ آدھا خراب ہو رہا ہے۔ بارہ بجے تو مکمل خراب ہو جاتا ہے۔ لاؤ لائٹر نکالو۔" عمران نے جملے کا آخری حصہ اپنے ہی لہجے میں ادا کیا تھا۔ تنویر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کے جبڑے اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا اور لائٹر نکال کر عمران کو سگار سلگانے میں مدد دی۔

عمران آگے بڑھ گیا۔ کچھ فاصلے پر اسے جوہان دکھائی دیا۔ وہ ایک الیکٹرک پول سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ عمران خاموشی سے اس کے پاس سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن قریب سے گزرتے وقت اس نے دائیں آنکھ دبا دی تھی۔ چونکہ زرد پر اس نے نہیں لگایا تھا۔ اس لیے جوہان چونک کر اسے دیکھنے لگا اور پھر مسلسل گھورتا ہی رہا۔ عمران آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب وہ ایک ایسے چوراہے پر جا کر کھڑا ہو گیا تھا جس کے قریب ہی لاش گھر تھا۔ اس نے صدیقی اور نعمانی کو بھی دیکھ لیا تھا جو بڑے ہی مستعد انداز میں ٹہل رہے تھے۔ دیگر دو ایک ممبروں کی غیر موجودگی کے علاوہ سبھی وہاں موجود تھے۔ جولیا بھی تھی۔ عمران نے اسے قدرے دشواری سے پہچانا کیونکہ اس نے بڑے ہی شوخ رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے اور دیکھنے میں بالکل کوئی سوسائٹی گرل لگتی تھی۔ عمران کو حیرت ہوئی کہ اس نے خصوصیت سے اس میک اپ کو کیوں اپنایا ہے۔ جبکہ اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ جولیا فیشن کے ان جدید طریقوں سے شدید نفرت کرتی ہے۔ وہ پُرخیال نظروں سے جولیا کو دیکھتا رہا۔

ٹھیک گیارہ بجے اس نے شارع گولکنڈی پر ایک سیاہ رنگ کی وین دیکھی۔ وین رینگتی ہوئی چوراہے کے قریب آئی اور ایک طرف فٹ پاتھ سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ عمران نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک جوان العمر شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے غور سے اُسے دیکھا اور محسوس کیا کہ اس کی صورت جانی پہچانی سی ہے۔ پھر اس نے کن انکھیوں سے دوسرے شخص کی طرف دیکھا جو اس کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے تو صاف محسوس ہوا کہ وہ میک اپ میں ہے۔ ابھی وین کو وہاں کھڑے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ عمران کی نظر لاش گھر کی طرف اٹھ گئی۔ اُسے دو آدمی آتے دکھائی دیے۔ ایک آدمی نے دوسرے کو سنبھال رکھا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ شخص بے تحاشہ نشے میں ہو۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا اس لیے عمران اس کو نہ پہچان سکا۔ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وین کی طرف بڑھ گئے تھے۔ عمران نے اس وقت تک زرد پر نکال کر فیلٹ میں لگا لیا تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے ماتحتوں کی طرف دیکھا۔ سبھی وین کی طرف متوجہ تھے۔ دفعتاً عمران نے ریوالور نکال لیا اور چیخا۔ "رک جاؤ۔ تم لوگ اگر ایک قدم بھی بڑھایا تو چھلنی کر دوں گا۔" ساتھ ہی اس نے ایک فائر کر دیا۔ گولی سنسناتی ہوئی ان کے قدموں کے پاس سے گزر گئی۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ سیکرٹ سروس کے سب ممبر ریوالور نکالے ادھر ہی لپکے۔ اچانک وین سے ایک فائر ہوا اور نعمانی الٹ کر فٹ پاتھ پر گرا گولی نہ جانے اس کے کہاں لگی تھی کہ وہ لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اس کے پہلو میں صدیقی تھا اس نے وین پر فائر کر دیا لیکن وین اسٹارٹ ہو چکی تھی اور اس کے عقبی حصے سے بے تحاشہ فائرنگ ہو رہی تھی۔ عمران نے پہلو بدلا اور ان آدمیوں کی طرف فائر کر دیا۔ جو بے تحاشہ وین کی طرف بھاگ رہے تھے۔ گولی ایک شخص کی ٹانگ میں لگی۔ یہ وہی شخص تھا، جو دوسرے کو سہارا دیے ہوئے تھا۔ وہ لڑکھڑایا اور سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ وین سے کوئی کودا۔ عمران نے دیکھا یہ وہ شخص تھا، جو ڈرائیور کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ عمران نے فائر جھونک مارا۔ لیکن وہ شخص چیتے کی سی پھرتی سے سڑک پر گرے

ہوئے آدمی پر جھپٹا اور اس کی آڑ میں آگے بڑھنے لگا۔ جولیا نے اپنے بیگ سے پستول نکالا اور گولی چلا دی۔ ایک چیخ سُنائی دی۔ زخمی آدمی چل بسا۔ گولی اس کی پشت میں لگی تھی۔ عمران پے در پے فائر کرتا ہُوا آگے بڑھا۔ لیکن وین کے عقبی حصّے سے گولیوں کی ایک باڑھ آئی۔ عمران نے خود کو نیچے گرا دیا۔ گولکنڈہ کی شاہراہ فائروں کی آواز سے گونج اُٹھی۔ ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ سردی شباب پر تھی۔ اگرچہ سردیوں کی راتوں میں لوگ بہت کم باہر نکلتے ہیں لیکن ایک قریبی پکچر ہاؤس سے لوگوں کا ایک ہجوم باہر نکل آیا اور نقشہ ہی بدل گیا۔ عمران نے مڑ کر اس سمت دیکھا جس طرف وین کھڑی تھی۔ وین سے اترنے والا شخص مُردہ آدمی کی آڑ لیے اس شخص کو وین کے قریب لے جا رہا تھا۔ اس نے ریوالور اٹھایا لیکن ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ ریوالور کی زد میں اس وقت ایک سیاہ رنگ کی فیلٹ تھی جس میں لگا ہُوا زرد پَر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ یہ تنویر تھا جو نہ جانے کس طرح چھپتا چھپاتا وین کے اگلے رُخ پہنچ گیا تھا۔ دفعتاً وہ اُچھلا اور وین کے اُوپر آ رہا۔ وین کی چھت سے وہ لوٹ لگا کر اُچھلا اور سنسناتا ہُوا ان دونوں آدمیوں پر آ پڑا جو وین کے قریب پہنچ چکے تھے۔ دونوں لڑکھڑائے اور تنویر ایک آدمی سے گتھم گتھا ہو گیا۔ فلم بینوں کا ہجوم سڑک پر دکھائی دے رہا تھا۔ عمران اُچھلا اور تیزی سے اُدھر لپکا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے پوری قوت سے چلّا کر کہا: "تنویر، سنبھلو!"

عین اسی وقت ایک کار دکھائی دی۔ کار کی چھت کھلی ہُوئی تھی، جس پر ایک اسٹین گن نصب تھی۔ اگلے ہی لمحے جیسے جہنّم کا دہانہ کھل گیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ سے کہرام مچ گیا۔ تنویر نے عمران کی آواز سُنی تو سنبھل گیا۔ اسی لمحے اس کے جبڑے پر گھونسہ پڑا۔ وہ اُلٹ کر سڑک پر گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کروٹ بدل کر فٹ پاتھ پر آ گرا۔ عمران اور اس کے ساتھی دونوں طرف فٹ پاتھ پر لیٹ گئے تھے۔ کار سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ گولیاں سنسناتی ہوئی دونوں طرف جا رہی تھیں۔ دُکانوں کے بند شٹر گولیوں سے چھلنی ہو رہے تھے اور پھر جیسے ہی عمران کی نگاہ چوراہے کی طرف اُٹھی، اس کی روح فنا ہو گئی۔ اسی طرح کی ایک کھلی کار اُدھر سے بھی آ رہی تھی۔ اس نے خود کو فٹ پاتھ کے کنارے بہتے ہوئے نالے میں گرا دیا۔ نئی کار کو دیکھ کر دوسرے ممبر بھی نالے میں اُتر گئے۔ انھوں نے نالے میں گرتے ہی کار پر فائرنگ شروع کر دی تھی۔ دونوں طرف سے گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا۔ عمران اور اس کے ماتحت چونکہ نالے کی آڑ میں تھے اس لیے محفوظ رہے، البتہ کار کے چاروں ٹائر دھماکوں سے پھٹ گئے۔ اسٹین گن چلانے والے کے جسم میں کئی گولیاں اُتر گئیں۔ وہ کار میں گر گیا اور کار فٹ پاتھ کی طرف لڑکھڑاتی ہُوئی بڑھی اور پھر ایک دُکان کا شٹر توڑتی ہُوئی اندر گھس گئی۔ اس ہنگامے میں فلم بینوں کے ہجوم نے اور بھی گڑبڑ مچا دی۔ اسٹین گن کی فائرنگ سے کئی آدمی موت کے منہ میں پہنچ گئے، اور باقی جدھر منہ اُٹھا بھاگ نکلے۔ عمران نے ذرا سا بلند ہو کر کار کی طرف دیکھا۔ کار غائب تھی البتہ ایک کی بجائے دو لاشیں سڑک کے وسط میں پڑی ہوئی تھیں۔ جب سکون ہو گیا تو نالے سے نکل کر عمران آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہُوا ان لاشوں کی طرف بڑھ گیا قریب پہنچ کر اس نے لاشوں کو دیکھا اور پھر ان کی تلاشی لینے لگا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک کارڈ پڑھ رہا تھا۔

"ذی ڈیما... !" وہ زیرِ لب بولا اور اس شخص کی طرف دیکھنے لگا جو خون میں لت پت سڑک پر پڑا ہُوا تھا۔ ذی ڈیما۔ اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ چند لمحوں بعد رات کے سنّاٹے میں پولیس کاروں کے سائرن کی آواز سُنائی دی۔

اس نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا اور پھر خود بھی تیزی سے ایک قریبی گلی میں گھستا چلا گیا۔



اس ناول کا دوسرا اور آخری حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے

عمران سیریز



قطراظ کا قیدی

اظہر کلیم





جیگر نے کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلا اور حاتم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "ہنری ڈیئر..." اس نے سرگوشی کی۔

"اُوں..." حاتم چونکا۔ "کیا بات ہے؟"

"میں آج صبح سے تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے میں تمہاری جوان اولاد ہوں اور تم میرا گھر بسانے کی فکر میں لاغر ہوتے جا رہے ہو۔" حاتم نے مسکرا کر کہا۔

"یقین کرو ہنری... ہماری عمروں میں کچھ اتنا تضاد ہے کہ میں تمھیں اپنی اولاد ہی سمجھنے لگا ہوں۔ کبھی کبھی یہ خیال میرے ذہن کے کسی گوشے میں اُبھرتا ہے کہ جیگر تم نے زندگی یوں ہی گزار دی۔ سارا زمانہ تم سے خوف زدہ ہے اور تم پیار کی ہلکی سی لہر کو تڑپ رہے ہو۔ کاش میں نے ان کاموں کی بجائے سیدھی سادی زندگی اپنائی ہوتی تو آج کم از کم میں ایک پُرسکون گھرانے کا مالک تو ہوتا۔"

"بہت خوب۔" حاتم نے پُرستائش نگاہوں سے جیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور اس وقت کئی بچے تمہارے اردگرد کتے کے پلّوں کی طرح کلیلیں کر رہے ہوتے کیوں؟"

"مذاق نہیں ہنری۔ میں اس زندگی سے اُکتا گیا ہوں۔"

"حالانکہ ایک روز پیشتر تم اپنی رنگ رلیوں کی الف لیلہ سُنا رہے تھے۔"

"وہ وقتی سہارے ہیں دوست۔ ان میں سکون نہیں مجھے اب سکون کی ضرورت ہے۔"

"گویا نو سو چوہے کھانے کے بعد اب حج کا سودا سما رہا ہے تمہارے دماغ میں۔" حاتم مسکرایا پھر اس نے پوچھا۔ "آخر اس گفتگو کا مقصد کیا ہے؟"

"میں یہاں سے دُور جانا چاہتا ہوں۔" جیگر بولا۔

"پھر کس بات کا انتظار ہے؟" حاتم نے کہا۔

"تم نہیں سمجھ سکتے۔ میں اب اپنی مرضی سے کہیں نہیں جا سکتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ میرے پیروں میں بیڑیاں ہیں۔ اگر میں باس کی مرضی کے خلاف کوئی بھی قدم اُٹھاتا ہوں تو باس مجھے جان سے مار دے گا۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ تم پر اعتماد نہیں کرتا۔"

"ممکن ہے یہی بات ہو۔ باس کا خیال ہے کہ تنظیم سے الگ ہو کر اس سے غدّاری کی جا سکتی ہے۔ اور یہ ہے بھی حقیقت۔ ہم نے آغاز میں یہ حلف اُٹھایا تھا کہ مرتے دم تک تنظیم کے ساتھ رہیں گے ہم جب تنظیم سے جُدا ہونے کا خیال ذہن میں لا سکتے ہیں تو غدّاری کیوں نہیں کر سکتے؟"

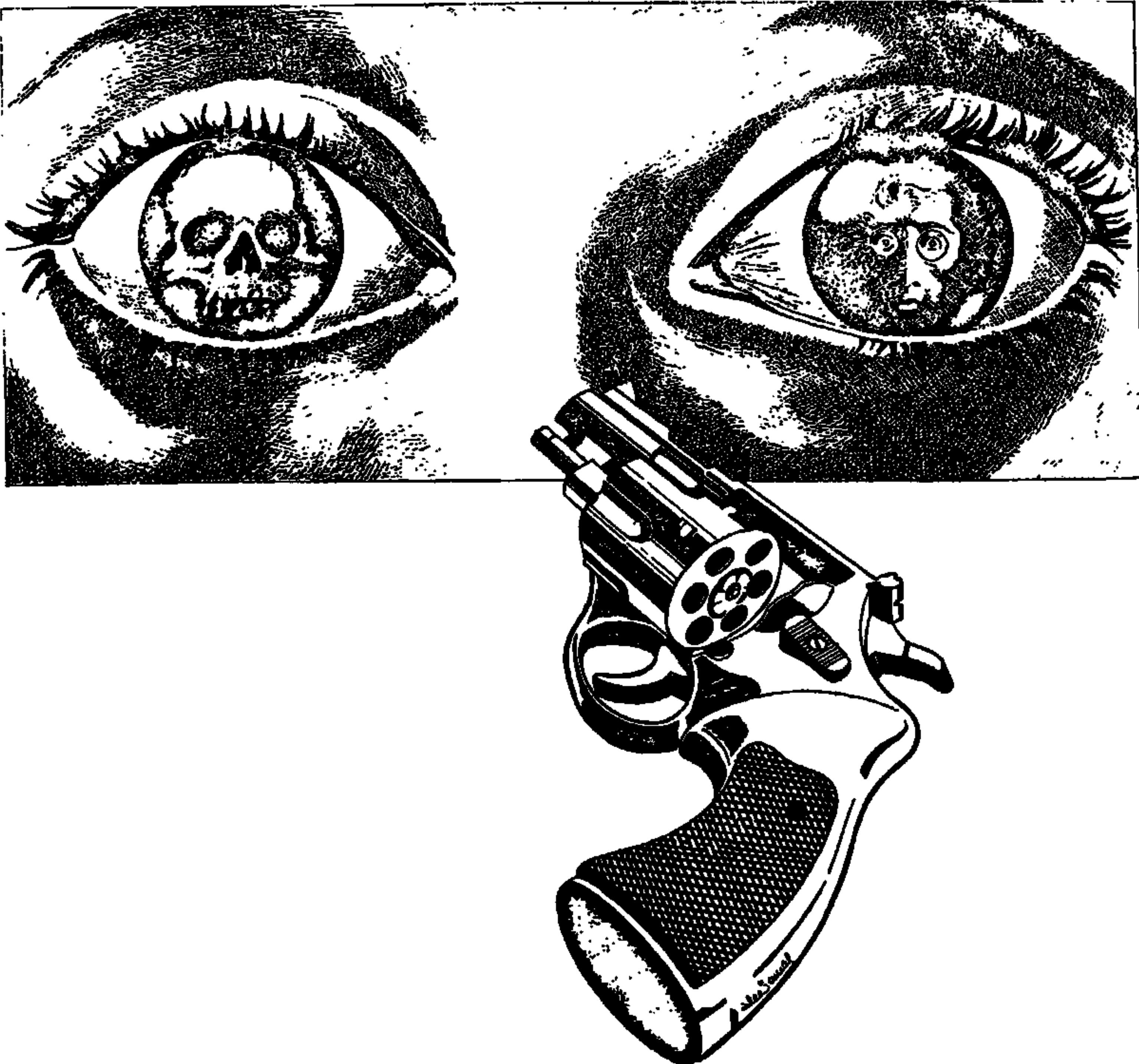
قطراظ کا قیدی

قطراظ کا قیدی

قارئین کی فرمائش پر بطورِ خاص۔ سدابہار کردار عمران پر
ایک دلچسپ تحریر۔ ایکسٹو کی ٹیم کے ایک نئے ممبر حاتم علی سے ملیے

عمران سیریز کا ہنگامہ خیز ناول

مظہر کلیم



"ہُوں۔ اگر ایسا ہی ہے تو آؤ مل کر تنظیم ہی کی دھجیاں بکھیر دیں۔" حاتم نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ اس نے یکایک پینترا بدلا تھا۔ اب اس کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔

"آہستہ۔" جیگر نے خوف زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ "اگر کسی نے سُن لیا تو بہت بڑا ہو گا۔ اس قسم کی باتوں کی بھنک بھی باس کے کانوں میں پڑ گئی تو ہماری کھال کھینچ لے گا۔"

"تم بلاوجہ ڈر رہے ہو ڈیڈ۔ میں تمہاری خاطر خون کی ندیاں بہا سکتا ہُوں۔"

"مجھے یقین ہے۔ شاید اسی لیے تمھیں دوست کی بجائے بیٹے کی حیثیت سے چاہنے لگا ہُوں۔"

حاتم ہنسنے لگا۔ جیگر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ حاتم اب تک تمام باتوں کو مذاق ہی سمجھتا رہا ہے۔ چند لمحے بعد وہ نرم لہجے میں بولا۔

"آخر اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے ہنری؟"

"غلط مت سمجھو۔ میں یہ سوچ کر ہنس پڑا تھا کہ کچھ روز پہلے ہم باپ بیٹوں کے درمیان جو کچھ ہُوا تھا اُسے کس نے نہ دیکھا ہو گا۔" جیگر بھی ہنسنے لگا پھر حاتم ہی نے کہا۔ "آؤ یار، چلو اندر چل کر بیٹھیں۔ آج میری طبیعت بھی کچھ تبدیلی چاہتی ہے۔"

"کیا مطلب؟" جیگر نے چونک کر کہا۔

"بس آج گھر لوٹا ہی سمجھو۔" حاتم نے دائیں آنکھ دبا کر کہا۔

جیگر مسکرایا پھر حاتم کے کندھے پر ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔ "تم چلو۔ میں ذرا کاؤنٹر دیکھ لوں۔ ابھی آ جاؤں گا۔"

جیگر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا اور حاتم اس راستے سے تہ خانے کی طرف بڑھ گیا جو گروہ کے کارکنوں کے لیے مخصوص تھا۔ ہال آباد تھا۔ کئی آدمی مختلف ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے کھیل رہے تھے ہزاروں کے داؤ لگ رہے تھے ساتھ ہی مشروب کے دَور چل رہے تھے ایک رقاصہ اپنے سراپا کو لہراتی ہوئی ادھر سے ادھر منڈلاتی پھر رہی تھی۔ حاتم نے غور سے دیکھا۔ وہ بہت حسین لڑکی تھی اُس نے اس سے پیشتر اُسے وہاں نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک خالی میز پر جا بیٹھا اور کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا جہاں وہی خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی، جسے حاتم کئی مرتبہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ حاتم نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور کاؤنٹر پر مددگار آدمی کو چھوڑ کر وہ حاتم کی میز پر آ گئی۔

"آج نگاہِ کرم مجھ پر کیسے ہو گئی؟" وہ بے باکی سے مسکرائی۔

"بس یونہی۔ سوچا کہ لاؤ تم سے کچھ گپ شپ ہو جائے۔"

"شکریہ۔" لڑکی مسکرائی۔ "میرا نام تو تم جانتے ہی ہو گے؟"

"نہیں۔ میں بلاوجہ کسی میں دلچسپی نہیں لیا کرتا۔ کیا نام ہے تمھارا؟"

"روزی۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"پیارا نام ہے۔" حاتم نے فدا ہو جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔" روزی نے شرما کر جواب دیا۔

"یہ حقیقت ہے روزی۔ میں آج تک کسی عورت سے متاثر نہیں ہُوا۔ نجانے کیا بات ہے تمھیں دیکھ کر دل بے قابو سا ہو گیا ہے۔ آخر اس بے نام سے جذبے کو کیا نام دُوں؟"

"مذاق۔ محض مذاق کا نام۔" روزی سنجیدگی سے بولی۔ "ایسے جملے اس قدر سُن چکی ہُوں کہ ان کی کچھ اہمیت ہی نہیں رہی۔"

"لیکن میں مذاق نہیں کر رہا۔"

"تو پھر تمھاری کوئی غرض وابستہ ہو گی۔"

"غرض؟" حاتم غرّایا اس کی آنکھیں غصّے سے سُرخ ہو گئیں، جبڑے بھنچ گئے اور رُخساروں کی ہڈیاں جھلکنے لگیں۔ "کیا تم مجھے بھی کوئی کھلاڑی سمجھتی ہو روزی۔ میں ایسے کھیلوں سے شدید نفرت کرتا ہوں جن سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو۔"

روزی حاتم کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر بوکھلا گئی تھی۔ اس کے ہونٹ خشک ہو گئے جن پر وہ بار بار

زبان پھیر رہی تھی۔ "تم بہت ہی عجیب و غریب ہو ہنری۔" روزی بڑبڑائی۔

"عجیب کہہ سکتی ہو غریب نہیں۔ اس شہر کی تمام دولت مجھ تنہا شخص کی میراث ہے جسے میں جب چاہوں حاصل کر سکتا ہوں۔"

"بہت خوب۔" روزی مسکرائی۔ دفعتاً تہ خانہ تیز گھنٹی کی آواز سے گونج اٹھا۔ کاؤنٹر پر کھڑا ہوا آدمی لپک کر اس میز پر آیا، جہاں حاتم اور روزی بیٹھے تھے۔

"ہنری... باس۔" اس شخص نے ہانپتے ہوئے کہا۔

حاتم نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور اٹھ گیا۔ اس نے مسکرا کر روزی کی طرف دیکھا اور ٹائلٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائلٹ میں کمروں کی قطار تھی جن میں سے ایک کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حاتم اس کے اندر گھس گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی کسی کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ یہ آواز اس آواز سے مختلف نہیں تھی، جسے حاتم اس سے پیشتر سنتا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے کوئی لہجہ بدل کر گفتگو کر رہا ہو۔ حاتم کو نجانے کیوں محسوس ہونے لگا کہ یہ آواز اس نے پہلے بھی کہیں سنی ہے۔

"ہنری۔" پُراسرار آواز نے اسے پکارا۔

"یس باس۔ میں ہنری ہی ہوں۔"

"ہمارے پاس آؤ۔ آج ہم تم سے بالمشافہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے باس۔ میں عرصے سے آپ کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہوں۔"

"میں تمہارے لیے راستہ کھول رہا ہوں سیدھے چلے آؤ۔" پُراسرار آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی کمرے کی سامنے والی دیوار سرک کر ہٹ گئی۔ حاتم دیوار کو کھسکتے دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ سامنے ایک روشن راہداری نظر آ رہی تھی۔

"اسی راہداری میں سیدھے بڑھتے چلے آؤ۔" پُراسرار آواز نے حکم دیا۔

حاتم بلا توقف آگے بڑھ کر راہداری میں آ گیا اس کے راہداری میں آتے ہی، دیوار سرک کر اپنی جگہ واپس آ گئی۔ حاتم نپے تلے قدموں سے آگے بڑھتا رہا۔

راہداری کا اختتام ہوتے ہی ایک بغلی راستہ کھل گیا۔ اس راستے کے سامنے بھی ایک راہداری تھی لیکن اس راہداری کی چھت نیچی تھی، جسے دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی غار میں چل رہا ہے، جس کا فرش اور دیواریں پختہ ہیں۔ یہ راستہ نسبتاً ٹھنڈا تھا یہاں سانس لینے میں ہلکی سی دشواری ہو رہی تھی۔ اسی طرح پُرپیچ راستوں سے ہوتا ہوا وہ ایک ایسے کمرے میں جا پہنچا، جہاں اس سے پیشتر وہ کبھی نہیں آیا تھا۔ کمرے کا آدھا حصہ روشن اور باقی تاریک تھا۔ حاتم روشن حصے میں جا کر رک گیا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ اسے گرمی کا احساس ہونے لگا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔

"ہنری..." پُراسرار آواز دوبارہ ابھری۔

"یس باس۔ میں پہنچ گیا ہوں۔"

"بہت خوب۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک اہم کام تمہارے سپرد کر دوں۔"

"یہ میری حوصلہ افزائی ہے۔" حاتم نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"لیکن وہ کام تمہارے سپرد کرنے سے پہلے میں ہر طرح سے اطمینان کر لینا چاہتا ہوں۔" پُراسرار شخص کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"آپ مجھے ہر طرح سے آزما سکتے ہیں، باس۔ میں حاضر ہوں۔"

"بہت خوب۔ تو پھر پہلی آزمائش کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں ہر آزمائش کے لیے تیار ہوں، باس۔" حاتم نے تن کر کہا۔

"تو سب سے پہلے اپنی مونچھیں اتار دو۔"

"جی!" حاتم بوکھلا گیا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا باس۔"

"مونچھ کا مطلب بتاؤں یا اتارنے کا۔" پُراسرار آواز نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

حاتم نے ایک طویل سانس لی اور مونچھیں اکھاڑ کر فرش پر رکھ دیں۔

"اب اپنے رخساروں میں پیوست پلاسٹک کے

وہ ٹکڑے بھی نکال دو جن کی وجہ سے تمہارے چہرے میں غیر معمولی اُبھار پیدا ہو گیا ہے۔"

حاتم کا جسم پسینے میں بھیگنے لگا اس نے قدرے توقف کے بعد پلاسٹک کے ٹکڑے بھی اپنے چہرے سے الگ کر دیے اور اندھیرے میں چھپے ہوئے اس نادیدہ انسان کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا جو باس کہلاتا تھا۔

"اب اپنے بالوں کا بوجھ بھی ہلکا کر دو۔"

حاتم نے اپنے سر سے وِگ اتاری اور فرش پر پھینک دی۔

"اگرچہ تمہارا چہرہ اس وقت خاصا صاف دکھائی دے رہا ہے تاہم اگر تم پسند کرو تو اپنے نتھنوں سے وہ اسپرنگ بھی نکال دو جن سے تمہارا چہرہ بھدّا محسوس ہو رہا ہے۔"

حاتم نے ایک طویل سانس لی اور نتھنوں کو بھی صاف کر دیا۔ اب وہ پوری طرح اپنی اصلی شکل اور صورت میں تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ آنکھیں البتہ اُلجھے اُلجھے تاثرات سے چمک رہی تھیں۔

"اب بتاؤ تم کون ہو؟"

"میں ہنری ہوں۔" حاتم نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"بہت خوب۔ ڈھٹائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مسٹر۔"

"آپ میرے کام سے تو واقف ہی ہیں۔ میں نے اپنی شخصیت جن، وجوہات کے تحت بدل رکھی تھی، اس سے آپ کو آگاہ ہونا چاہیئے۔" حاتم کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"اگر ایسا تھا تو تمہیں یہ بات پہلے ہی بتا دینی چاہیئے تھی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ مجھے ہر طرح سے آزما چکے ہیں۔ کیا اب تک میری وجہ سے تنظیم کو کوئی نقصان ہوا ہے۔"

"نہیں۔" پُراسرار آواز نے کہا۔ "اگر تم ہمارے دائیں ہاتھ ذی ڈیما کی موت کو نقصان سمجھنے پر تیار نہیں ہو تو یوں ہی سہی۔"

"ذی ڈیما۔" حاتم نے چونکنے کی شاندار اداکاری کی۔

"ہاں۔ ذی ڈیما رات مر گیا۔" پُراسرار آواز زہریلی ہو گئی۔

"لیکن اس سے میرا کیا تعلق ہے باس؟"

"کیا واقعی کوئی تعلق نہیں۔" آواز یک بیک بے حد سخت ہو گئی۔ "اپنی دائیں جیب سے وہ تانبے کا سکّہ نکال کر فرش پر ڈال دو۔"

"سکّہ..." حاتم اچھل پڑا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ جیب کی طرف گیا اور جب اس نے ہاتھ باہر نکالا تو بلاشبہ اس میں تانبے کا سکّہ تھا۔ اس نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ وہ حیران تھا کہ یکایک اس کی جیب میں وہ سکّہ کہاں سے آ گیا۔

"اسے دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی مشین میں ڈال دو جو دائیں طرف دکھائی دے رہی ہے۔" حاتم نے بے چون و چرا سکّہ اس مشین میں ڈال دیا اگلے ہی لمحے کمرے میں خود اسی کی آواز گونجنے لگی۔ اس کا جسم پسینے سے بھیگتا چلا گیا کیونکہ گفتگو من و عن وہی تھی جو ایکسٹو اور اس کے درمیان ہوئی تھی۔ گفتگو ختم ہوئی تو وہ خاموش کھڑا اندھیرے کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس نے ارادہ کیا کہ کود کر اس اندھیرے کے گیدڑ کی گُدّی ناپ لے مگر اسے اپنا ارادہ منسوخ کر دینا پڑا۔

عین اسی وقت اس کے عقب میں تین دروازے یکایک نمودار ہوئے تھے اور ان میں کھڑے ہوئے مسلح آدمیوں کی ٹامی گنیں اس کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ حاتم نے ایک طویل سانس لے کر ہاتھ اُٹھا دیے لیکن اگلے ہی لمحے اس کی کھوپڑی پر کوئی وزنی چیز پڑی اور اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

❖

عمران نے آنکھیں کھولیں اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کوئی پوری قوت سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لینے کے بعد گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے دس بج رہے تھے۔ رات ہنگامے میں گزر گئی تھی اس لیے وہ اس قدر دیر تک سوتا رہا تھا۔ دستک اب دروازہ شکن ہو چلی تھی۔ "ارے کون ہے بھائی؟" عمران نے دھاڑ کر پوچھا۔

"دروازہ کھولیے صاحب میں سلیمان ہوں۔"

"ہائیں۔ تو... لیکن تو ہے کہاں؟" عمران کمرے

میں ناچ گیا۔" تیری گنگناہٹ سُنائی دے رہی ہے۔"
اس نے کانوں کو جھاڑتے ہوئے مزید باریک بینی سے کمرے میں اِدھر اُدھر گھورنا شروع کر دیا۔
"میں دروازے کے باہر ہوں جناب۔" سلیمان حلق پھاڑ کر چیخا۔
"کیا؟" عمران حیرت سے مُنہ پھاڑ کر بولا۔ "پہلے اندر گھس کر دروازہ باہر سے بند کرنے کی ترکیب بتا۔"
"دروازہ باہر سے نہیں اندر سے بند ہے صاحب۔"
سلیمان جھلا کر دروازہ بُری طرح پیٹنے لگا۔
"اچھا، کھولتا ہوں ذرا چھری تلے دم تو لے۔" عمران نے بڑبڑاتے ہوئے دروازے کا بولٹ گرایا اور سلیمان کو دیکھ کر غرّایا "کیوں بے۔ کیا تُو نے مجھے کوئی ایسا ویسا سمجھ رکھا ہے جب بھی میں دروازہ بند کر کے اندر ہُوا تُو نے دروازہ توڑنا شروع کر دیا۔"
"دس بجے ہیں صاحب۔ کیا ناشتہ کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟"
"ناشتہ۔ ارے باپ رے۔ بڑی بھوک لگی ہے۔"
عمران پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہُوا بولا اور غڑاپ سے باتھ روم میں گھس گیا۔ . . فارغ ہُوا تو کپڑے بدل کر ناشتے کی میز پر آ بیٹھا۔ چائے کا کپ اس نے سلیمان کی طرف سرکا دیا اور خود اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سلیمان نے چائے انڈیلی۔ وہ چمچہ ہلا کر شکر ملا رہا تھا کہ دفعتاً عمران کی نگاہ اس کی طرف اٹھ گئی۔ سلیمان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ وہ چونک پڑا۔
اس نے غور سے سلیمان کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہُوا اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سلیمان نے چائے کا کپ تیار کر کے اس کے سامنے رکھ دیا اور دھیمے لہجے میں بولا "لیجئے صاحب چائے پی لیں ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"
"تو ہی پی لے یہ چائے۔ میں تو پوست کا پیالہ پینے کا قائل ہو گیا ہوں۔" عمران نے بے زاری سے کہا اور کن انکھیوں سے سلیمان کی طرف دیکھنے لگا۔
سلیمان کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے تھوک نگل کر بمشکل کہا "مم.. میں تو ناشتہ کر چکا ہوں صاحب۔"
"کوئی بات نہیں ایک پیالی میرے نام کی سہی۔"
"مگر صاحب۔ آپ کیوں نہیں پیتے۔"
"ہائیں بحث کرتا ہے۔ ابے تُو باورچی ہے یا میری نصف بدتر۔ ہر بات میں نوک جھونک۔ اُٹھا پیالی اور پی جا۔"
"میں تو نہیں پیوں گا۔ موڈ نہیں ہے۔"
"ہو جائے گا۔ ابھی ہو جائے گا۔" عمران نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"کیا مطلب؟" سلیمان ٹھٹھک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔
"ورزش۔ ذرا جمناسٹک کے کچھ داؤ پیچ ہوں گے تو خود ہی موڈ درست ہو جائے گا۔" عمران نے سلیمان کو گھورتے ہوئے کہا۔
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" سلیمان اب واضح طور پر کانپنے لگا۔
"مطلب سمجھنے کے لیے لغات کبیر دالاعرف دیکھ کبیرا رویا کا صفحہ نمبر اٹھائیس دیکھ۔ اس میں لکھا ہے، کسی کو دھوکہ دینا مردوں کا شیوہ نہیں اور زہر پی کر آدمی بانجھ ہو جاتا ہے۔ کنفیوشس نے بھی یہی کہا تھا۔"
"آپ تو نجانے کہاں کی ہانکنے لگتے ہیں۔" سلیمان الجھن آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔
"اگر تم واقعی یہ چاہتے ہو تو لاؤ پہلے تمہیں ہی ہانک دوں۔ بتاؤ سلیمان کہاں ہے۔" عمران اخبار رکھ کر کھڑا ہو گیا۔
"سلیمان۔ میں سلیمان ہی تو ہوں صاحب۔"
"ہائے۔" عمران نے سینے پر دو ہتڑ مارا۔ "اسی غم سے تو شادی نہیں کرتا۔ میری نظر اتنی کمزور ہے کہ مُنہ دُھلائے بغیر کسی کو پہچان ہی نہیں سکتا۔"
سلیمان بدک کر دور جا کھڑا ہُوا۔ عین اسی لمحے عمران اچھل کر اس پر جا پڑا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سلیمان کی گردن پکڑی اور اُسے رگید ڈالا۔
"بتاؤ۔ تم کون ہو۔ ورنہ گردن توڑ دوں گا۔" عمران غرّایا۔
"میں... میں سلیمان ہی ہوں۔" سلیمان کانپتا ہُوا بولا۔
"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم تو اپنے ہی آدمی ہو۔ اگر میں تمھاری گردن توڑ دوں تو میرے سر تمھارا خون بھی

نہیں رہے گا۔ اور۔۔۔" عمران جملہ ادھورا چھوڑ کر پوری قوت سے گردن دبانے لگا۔ سلیمان کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔

اس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں اور چہرہ یوں سُرخ ہو گیا جیسے جسم کا پورا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا ہو۔ وہ عمران کو خود سے الگ کرنے کے لیے پوری قوت صرف کرنے لگا لیکن عمران کی گرفت کچھ ایسی کمزور نہیں تھی۔ جلد ہی سلیمان ہانپ گیا۔ پھر وہ بڑی طرح چیخنے اور فریاد کرنے لگا۔۔۔ "بب۔۔۔ بتاتا۔۔۔ بتاتا ہوں۔"

"بتاتے ہو۔ ہائیں دھمکیاں دیتے ہو۔" عمران غرایا اور مزید قوت صرف کر کے اس کی گردن دبانے لگا۔

"وہ۔۔۔ وہ کچن میں ہے۔"

"اچھا۔ تو کیا تم اس کے ہمزاد ہو؟" عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"میں۔۔۔ میں ہوں۔"

"اچھا۔۔۔" عمران نے دیدے پھاڑ کر اسے دیکھا جیسے مغلوب نے خود کو کوئی اہم شخصیت ظاہر کیا ہو اور وہ اس کے رُعب میں آ گیا ہو۔ وہ اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا اور کینہ توز نگاہوں سے اُسے گھورتا ہوا بولا "بس اب شروع ہو جاؤ۔ میں ناشتے سے پہلے جھوٹ سُننا پسند نہیں کرتا۔"

سلیمان اپنا گلا مسلتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ متوحش نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے خاموش اور متذبذب دیکھ کر عمران غرایا "تمھیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟"

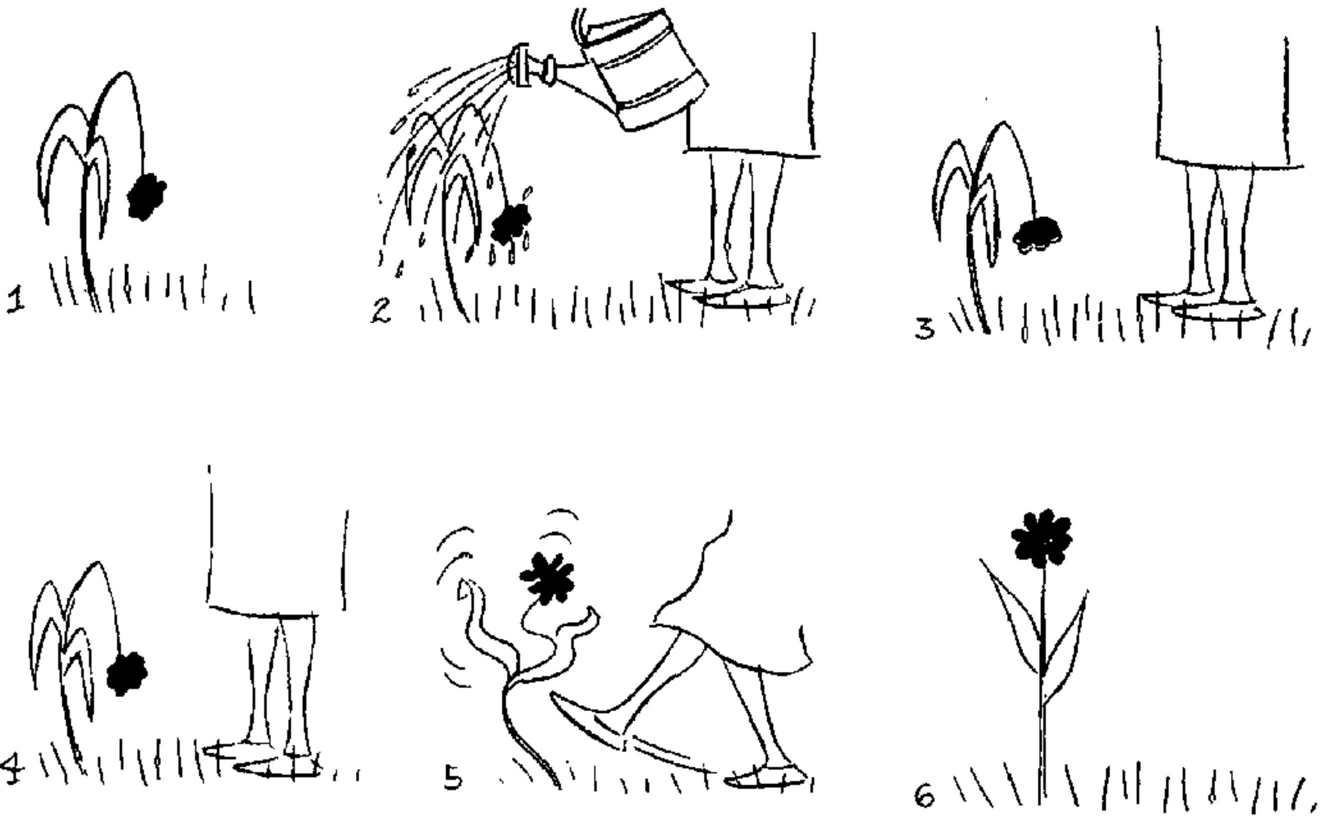
سلیمان کا ہمشکل خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار مزید گہرے ہو گئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ الجھن کا شکار ہو گیا ہو کہ کیا جواب دے یا پھر گھبراہٹ کی وجہ سے اظہارِ مطلب کے لیے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"میں پوچھتا ہوں۔ تمھیں کس نے بھیجا ہے؟" عمران کے لہجے میں سفاکی در آئی۔ "بولو۔ جواب دو۔ ہوں۔ تو گویا تم شرافت کی زبان نہیں سمجھتے۔ لاتوں کے بھوت دکھائی دیتے ہو۔"

لیکن عمران اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ اس کی کھوپڑی پر پڑنے والی ضرب کچھ اتنی ہی شدید تھی کہ لمحہ بھر کے لیے وہ بڑی طرح چکرا گیا۔ اس نے پوری قوت سے سر کو جھٹکا دیا اور اپنی تمام تر قوتِ ارادی کو مجتمع کر کے پھرتی سے پلٹا۔ عقب میں ایک سیاہ پوش کھڑا تھا۔ عمران کے پلٹتے ہی اس نے ریوالور کی نال اس کی طرف اٹھائی لیکن عمران نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ ایک ہاتھ ریوالور پر تھا۔ ریوالور سیاہ پوش کے ہاتھ سے نکل گیا۔ عمران اسے رگیدتا ہوا دیوار تک لے گیا اور پھر دیوار سے لگا کر پوری قوت سے ایک ٹکر اس کی ناک پر جمائی۔ سیاہ پوش کے حلق سے غراہٹ نکلی اور نقاب خون آلود دکھائی دینے لگا۔ اسی لمحے عمران کو عقبی سمت کسی سرگرمی کا احساس ہوا۔ اس نے سیاہ پوش کے گریبان پر ہاتھ رکھے اور تیزی سے الگ ہٹ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

سیاہ پوش لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور سلیمان کے ہمشکل کی پھینکی ہوئی کرسی اس کے سر پر پڑی۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھے اور مست شرابی کی طرح جھومتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ عمران نے لپک کر ایک گھونسہ دوسرے آدمی کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے سنبھلتے ہی عمران نے اس کی پسلیوں اور ٹانگوں کے درمیان چند ایسی شدید ٹھوکریں رسید کیں کہ وہ بلبلاتا ہوا فرش پر آ رہا۔ عمران نے اسی پر بس نہیں کی۔ اس نے ایک ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر جمائی جس نے اس کے دماغ میں کئی سورج طلوع کر دیے ہوں گے۔ اس نے نئی نویلی بیوہ کی طرح اپنا سر تھام لیا۔ لیکن فرش پر سجدہ ریز ہونے سے قبل اپنا جبڑا سنبھالتا ہوا الٹ گیا۔ اس کی کھوپڑی کا عقبی حصہ اتنی سختی سے فرش کے ساتھ ٹکرایا کہ کھوپڑی کچے ناریل کی طرح چٹخنے لگی۔ اس کی آخری چیخ بڑی بھیانک اور دلدوز تھی۔

عمران نے جُھک کر اُسے دیکھا اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ خون فرش پر پھیل رہا تھا اور وہ شخص جانکنی کے عالم میں کراہ رہا تھا۔ عمران کے خیال کے مطابق وہ چند ساعتوں کا مہمان تھا۔



”تم کون ہو اور تمھیں کس نے یہاں بھیجا تھا؟“ عمران نے اس پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

”میں... میں... مم...“ اس شخص نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ خون کی باریک سی لکیر اس کے مُنہ سے نکلی اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ عمران تیزی سے دوسرے شخص کی طرف بڑھا۔

اس نے سیاہ پوش پر جھک کر اس کا جائزہ لیا۔ کرسی سے اس کی کھوپڑی پر گہرا زخم آیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے کراہ رہا تھا۔ عمران نے اس کے چہرے سے نقاب نوچ لیا۔ چہرہ اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

زخمی حملہ آور ساحلی علاقے کا ایک بدنام غنڈہ تھا۔ عمران اسے اچھی طرح جانتا تھا اس نے جلدی سے اسے جھنجھوڑا۔ ”جیکی... جیکی... تمھیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟“ وہ غرّایا۔ جیکی بدستور کراہتا رہا۔ عمران نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ اس نے آنکھیں کھول کر عمران کی طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن سر سے بہہ کر خون سیدھا اس کی آنکھوں میں آرہا تھا ناک سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ اس نے بمشکل مُنہ کھولا اور بڑبڑایا۔ ”پانی... پپ... پانی لاؤ۔ پانی۔“

عمران نے پُرتشویش نظروں سے اسے دیکھا اور تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ کچن کا دروازہ باہر سے بولٹ کیا ہوا تھا۔ عمران نے دروازہ کھولا اور اندر گھستا چلا گیا۔ کچن میں گھستے ہی اُسے کارنر میں رکھے ڈرم میں کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی۔

اس نے حیرت سے دیدے گھما کر ڈرم کو دیکھا ڈرم اونچائی میں، عام آدمی کی کمر تک پہنچتا تھا اور سلیمان غیر ضروری سامان اس میں رکھا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت شاید ڈرم کو خالی کر دیا گیا تھا۔ فالتو سامان کچن میں، ڈرم کے آس پاس، بکھرا ہُوا دکھائی دیا۔ ڈرم میں ہلچل کچھ یہ ظاہر کر رہی تھی جیسے اس میں کوئی باؤلا کتّا بندھا ہوا ہے یا کوئی چیز بُری طرح حرکت کر رہی ہے۔

عمران دیدے نچاتا ہوا ڈرم کے قریب پہنچا اور جب اس نے ڈھکنا اٹھا کر دیکھا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اندر سلیمان بڑی طرح بندھا ہوا خود کو آزاد کرانے کی جدوجُہد میں مصروف تھا اس کے مُنہ میں، حلق تک رُومال ٹھُونسا ہوا تھا۔ رومال کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا جیسے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں درد و کرب کے گہرے تاثرات تھے۔

”ابے تو یہاں کیا کر رہا ہے؟“ عمران نے غرّا کر کہا۔

سلیمان نے رحم طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور جدوجُہد میں اضافہ کر دیا۔

”ابے، جواب کیوں نہیں دیتا؟“ عمران دہاڑا۔

”اُوں... اُوں... اُوں اُوں“ سلیمان بڑی

طرح ہاتھ پاؤں پٹخنے لگا۔

عمران سوچتا اور الجھتا رہا۔ پھر اس نے حیرت سے دیدے پھاڑے "کھال کھینچ لوں گا۔ اگر بچوں کی طرح غوں غاں کر کے میرے کانوں میں رس گھولنے کی کوشش کی تو ۔۔!"

رسیاں شاید بُری طرح سلیمان کو جکڑے ہوئے تھیں اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ عمران کو اس آڑے وقت مذاق پر آمادہ پایا تو مارے بے بسی کے اس کی آنکھیں چھلک آئیں۔ عمران نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے سلیمان کو کھینچ کر باہر نکالا اور اُسے رسیوں سے آزاد کرنے کے بعد پانی لے کر جلدی سے اپنے کمرے میں چلا گیا لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی کھوپڑی بھک سے اُڑ گئی جیکی کی آنکھیں پھٹی پھٹی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کی پیشانی پر ایک گول سا سوراخ تھا اور یقیناً یہ گولی ہی کا نشان تھا۔ کسی نے بہت ہی قریب سے اسے گولی ماری تھی۔

عمران دروازے میں کھڑا خاموشی سے اس کی لاش کو گھورتا رہا پھر وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا جھک کر گولی کے نشان کو دیکھا اور معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دیتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے متلاشی نگاہوں سے کمرے میں دیکھا۔ قاتل یقیناً کمرے میں ہی موجود تھا۔ اس نے موقع پاتے ہی جیکی کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ عمران کا ذہن حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا ظاہر ہے وہ جو کوئی بھی تھا وہ عمران کو بھی شوٹ کر سکتا تھا۔ پھر آخر کیا وجہ تھی کہ اس نے عمران کو بخش دیا؟

عمران سوچتا اور الجھتا رہا۔

منطقی طور پر ایک ہی بات سامنے آتی تھی اور وہ یہ کہ مجرم وقتی طور پر نفسیاتی الجھن کا شکار ہو گیا ہو گا چونکہ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی درگت بنتے دیکھ لی تھی اس لیے اپنی جان بچا کر نکل جانے میں ہی عافیت سمجھی ہو گی دوسرا یہ کہ ممکن ہے وہ عمران کو زندہ حالت میں لے جانے کے چکر میں ہو۔ عمران الجھتا رہا اور سوچتا رہا۔

دفعتاً اس کی نگاہ دروازے کی طرف اٹھ گئی۔

دروازے میں سلیمان کھڑا حیرت سے آنکھیں پھاڑے لاشوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ عمران نے مضحکہ خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا اور جیب ٹٹول کر چیونگم کا پیکٹ نکالنے لگا۔

"صاحب،" سلیمان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرے بس کی نہیں ہے آپ کی ملازمت۔"

"تجھے کیا تکلیف لاحق ہو گئی؟" عمران نے پوچھا۔

"کسی دن میری جان بھی یونہی چلی جائے گی۔ میں نے ابھی کچھ بھی نہیں دیکھا۔ نہ شادی کی ہے اور نہ بچوں کی قلقاریاں سُنی ہیں۔"

"ہائیں ... انقلاب۔ اس قدر عظیم انقلاب۔" عمران حیرت سے اچھل پڑا۔ "میرا خیال ہے اگر تو کچھ دیر اور اس ڈرم میں پڑا رہتا تو خود کو بدل کر مجھ پر ہی ڈورے ڈالنا شروع کر دیتا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"میں مذاق نہیں کر رہا جناب۔ کسی دن اسی طرح دو بے گور و کفن لاشیں ہماری بھی اسی کمرے میں دھری ہوں گی۔ مجھے یہ شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں آپ نے اسمگلنگ تو نہیں شروع کر دی۔"

"اسمگلنگ۔ ابے آہستہ بول۔ تجھے کس نے بتایا؟" عمران نے گڑبڑا کر پوچھا۔

"بس صاحب فیصلہ ہو گیا۔ میں جا رہا ہوں۔"

"سُنو سلیمان پیارے۔" عمران پیار بھرے لہجے میں بولا۔ "کسی ملازمت کو چھوڑنے سے پہلے ایک ماہ کا نوٹس بہت ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے تم مجھے نوٹس دو پھر کہیں جانا۔ لہٰذا نوٹس دینے سے پہلے ایک کپ چائے بنا لاؤ۔ خدا تمھیں سینکڑوں بچوں کی جھولی عطا فرمائے اور یہ کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے۔"

سلیمان نے بُرا سا مُنہ بنایا اور کراہتا ہوا واپس چلا گیا۔

عمران نے ریسیور اٹھایا اور فیاض کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ سلسلہ فوراً ہی مل گیا اور فیاض کی بھاری آواز سنائی دی۔

"تمھاری نئی سیکرٹری کا کیا حال ہے؟" عمران نے

چھوٹتے ہی کہا۔
"کیا۔ کون ہو تم؟" فیاض غرایا۔
"لاحول ولا۔ میں تو سمجھا تھا شاید محبوبۂ دلنواز کا حال پوچھنے سے تم خوش ہو جاؤ گے... بالکل اس ماں کی طرح جو اپنے بچوں سے کسی کو پیار کرتے دیکھ کر خوشی سے دیوانی ہو جاتی ہے اور اسی خوشی میں چار سو روپے خرچ کر دیتی ہے!"
"اوہ۔ تو یہ تم ہو!" فیاض نے مطمئن لہجے میں کہا۔ "کہو کیا بات ہے؟"
"دو عدد لاشیں!" عمران نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"کیا... کہاں... کس کی لاشیں؟" فیاض گڑبڑا گیا۔
"بس تمہاری محبت کا نتیجہ ہے پیارے۔ ہر وقت لاشیں ہی لاشیں ملتی ہیں، ناشتے میں لاشیں، دوپہر کے کھانے میں لاشیں اور رات کے کھانے میں بھی۔ تو پھر آ رہے ہو نا۔ بس سر کے بل چلے آؤ... اللہ ہم دونوں کی عاقبت محفوظ فرمائے... آمین!" عمران نے بے حد خلوص سے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔
سلسلہ منقطع کر کے اس نے دیدے نچائے اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کال بیل ریسیور رکھتے ہی گنگنائی تھی۔
دروازہ کھول کر اس نے باہر جھانکا اور اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ سامنے صفدر کھڑا تھا اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں جیسے نشے میں ہو یا دماغی طور پر ماؤف ہو چکا ہو۔
اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال عمران کی طرف اٹھی ہوئی تھی عمران نے پلکیں جھپکائیں۔ عین اسی وقت صفدر نے ٹریگر دبا دیا... نہ صرف دبا دیا بلکہ ٹریگر سے اس کی انگلی کا دباؤ ہٹا ہی نہیں۔ فائروں کی آوازوں سے راہداری گونج اٹھی۔

✿

حاتم کی آنکھ کھلی تو حلق بری طرح خشک ہو رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا... جیسے مارے پیاس کے اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہوں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گلا تھامنے کی کوشش کی تو اسے حیرت ہوئی کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ ہاتھوں کو آزاد



دیکھ کر اسے کچھ حیرت ضرور ہوئی لیکن یہ اطمینان بھی ہو گیا کہ وہ کچھ نہ کچھ جدوجہد تو کر سکے گا۔ اس نے آنکھیں مل کر کمرے کا جائزہ لیا۔ خاصا بڑا کمرہ تھا۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ صرف ایک ٹب دور دراز کونے میں رکھا ہوا تھا۔ حاتم کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ وہ فرش اور چھت کے درمیان کسی چیز پر معلق ہے اور جب اس نے ذرا غور کیا تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔
بڑے ہی ستم ظریف مجرموں سے پالا پڑا تھا۔
وہ فرش سے پانچ فٹ کی بلندی پر ایک جھولے میں لیٹا ہوا تھا لیکن اس طرح کہ اس کے پورے جسم کے گرد ڈوریاں لپٹی ہوئی تھیں۔ ڈوری کی بندش اس قدر سخت تھی کہ وہ ذرا سی بھی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ حاتم ہنسنے لگا۔ اسے اپنی پوری زندگی میں اس قسم کی سچویشن سے کبھی پالا نہیں پڑا تھا اس کے ہاتھ آزاد تھے لیکن باقی جسم بندھا ہوا۔ جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ کوشش کے باوجود اس جھولے سے نیچے نہیں اتر سکتا۔
دفعتاً اس کی نگاہ فرش پر رینگتی ہوئی ایک حیرت انگیز مخلوق پر پڑی اس نے بغور اس مخلوق کو دیکھا۔ دیکھنے میں وہ عام سائز سے قدرے بڑی چیونٹی تھی۔ یہ چیونٹیاں تعداد میں دو تھیں۔ حاتم نے جیسے ہی چیونٹیوں کو دیکھا اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگنے لگا۔
اب تک وہ جسے مذاق سمجھ رہا تھا وہ مذاق نہیں ایک خوفناک حقیقت تھی۔ ستم ظریف مجرموں نے اس کے ساتھ بڑا ہی خطرناک کھیل کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ حاتم ان چیونٹیوں کے بارے میں اچھی طرح سے جانتا تھا مشرق بعید کے جنگلوں میں یہ

خوفناک چیونٹیاں آدم خور چیونٹیوں کے نام سے مشہور تھیں اگرچہ یہ ایک ننھی سی مخلوق تھی اور انفرادی طور پر انتہائی حقیر۔ اتنی نرم و نازک کہ پاؤں کی ہلکی سی جنبش سے اسے کچلا جاسکتا تھا لیکن ان کی اجتماعی قوت... حاتم کا سانس پھولنے لگا۔

اجتماعی طور پر ان چیونٹیوں کا لشکر ایک ہٹے کٹے آدمی کو چند ہی منٹوں میں چٹ کر سکتا تھا۔ حاتم نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے ان چیونٹیوں کی طرف دیکھا۔

دونوں چیونٹیاں ادھر ادھر پھر رہی تھیں اور گاہے گاہے اپنی سونڈیں اٹھا کر کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ فرش پر ڈبل روٹی کے چند ٹکڑے پڑے ہوئے تھے لیکن چیونٹیاں کئی بار ان کے قریب سے گزر گئیں اور انھوں نے ایک بار بھی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔

حاتم سمجھ گیا کہ یہ دونوں چیونٹیوں کے ایک بڑے لشکر کا ہراول دستہ یا اسکاؤٹ چیونٹیاں ہیں، جو شکار کی بو سونگھ رہی ہیں اور جب یہ اپنے شکار کو دیکھ لیں گی تو فوراً اپنے لشکر کو اطلاع دے دیں گی اور اس کے بعد...

حاتم اس سے زیادہ نہیں سوچ سکا کیونکہ وہ اپنے انجام سے اچھی طرح آگاہ ہو گیا تھا۔ اس نے غور سے کمرے کا جائزہ لیا۔

یہ بات تو طے تھی کہ مجرموں نے ان چیونٹیوں کو بطور خاص پال رکھا ہے اور چیونٹیوں کی گزر بسر معتوب قیدیوں کے گوشت پر ہے۔

کمرے میں ایک طرف اسے بڑا سا سوراخ دکھائی دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہی ان چیونٹیوں کا گھر ہے اس نے فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سب سے پہلے تو یہ ضروری تھا کہ ان اسکاؤٹ چیونٹیوں کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے لشکر کو اطلاع نہ دے سکیں۔

اس نے انھیں جان سے مارنے کا فیصلہ کر لیا لیکن یہ اقدام کس طرح ممکن تھا وہ کچھ اس طرح بندھا ہوا تھا کہ لاکھ کوشش کے باوجود ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ فوراً ہی اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔

اگر وہ اپنا جوتا اتارنے میں کامیاب ہو جاتا تو ان چیونٹیوں کو ختم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھوں کو پاؤں کے رخ بڑھایا لیکن اس کے ہاتھ پنڈلیوں سے آگے نہ جا سکے۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے پوری قوت صرف کر دی لیکن ناکام رہا۔ بار بار اٹھنے سے سینے پر بندھی ہوئی ڈوری قدرے ڈھیلی پڑ گئی۔ یہ محسوس کر کے اس نے مزید طاقت صرف کر کے ہاتھ بڑھایا اور اس کا ہاتھ جوتے تک پہنچ گیا۔

اس نے جوتا اتار لیا پھر تاک کر چیونٹیوں کی طرف پھینک دیا۔ ایک وہیں کچل گئی اس نے کوشش کر کے دوسرا بوٹ بھی اتار لیا اور اسے دوسری چیونٹی کی طرف پھینکا لیکن اس مرتبہ نشانہ چوک گیا۔

چیونٹی کو شاید خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ حاتم کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کمرے کے کونے میں بنے ہوئے سوراخ کی طرف بھاگی اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

حاتم کو یقین تھا کہ اس چیونٹی کا بچ نکلنا بہت بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہے لیکن پھر اس نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ وہ فرش سے خاصا بلند ہے۔ چیونٹیاں اس تک نہیں پہنچ سکیں گی۔

گھبراہٹ میں وہ یہ بھی نہ سوچ سکا کہ مجرموں نے اسے جھولے پر محض اس لیے باندھا ہے کہ وہ فرش پر گھسٹ کر چیونٹیوں کو نہ کچل ڈالے۔ ظاہر ہے اگر وہ فرش پر ہوتا تو کسی نہ کسی طرح لڑھک کر ان سے نپٹ ہی سکتا تھا۔

حاتم کا خیال تھا کہ ان کے پاس قیدیوں کو رکھنے کے لیے کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے اس لیے انھوں نے اسے اس جھولے پر ڈال دیا ہے۔ جھولے پر باندھنے کی وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ وہ اسے چیونٹیوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اس کے باوجود چونکہ اس کے ذہن پر خوف و ہراس چھا رہا تھا اس لیے شدتِ اضطراب سے اسے پسینہ آگیا اور وہ نڈھال ہو گیا۔ آہستہ آہستہ وہ اونگھنے لگا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے اعصاب پر کوئی گہرا نشہ سوار ہو۔

آہستہ آہستہ وہ گرد و پیش سے بیگانہ ہو گیا۔ وہ تقریباً بیس منٹ ہی غافل رہا ہو گا کہ درد کی

لہر نے اسے جگا دیا۔ اس کے کانوں میں ہلکی ہلکی مگر غیر مبہم سی آواز آئی، جو پتوں کی سرسراہٹ سے مشابہہ تھی۔

وہ بُری طرح چونک پڑا۔

اس نے جھُولے سے نیچے دیکھا لیکن کچھ دکھائی نہ دیا۔ یکایک اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ بلند ہوئی۔ اس کے پاؤں میں کسی نے بڑے زور سے کاٹ لیا تھا۔ پھر اسے خوفناک چیونٹیوں کا لشکر دکھائی دیا۔ وہ لشکر دیوار پر بڑے منظم انداز میں چڑھ رہا تھا۔

وہ لشکر دو حصّوں میں منقسم تھا۔ ایک تو سر کی طرف سے دیوار پر چڑھ رہا تھا دوسرا پاؤں کی طرف سے۔ ہر دو کی چوڑائی کسی طرح بھی ایک فٹ سے کم نہ تھی۔

حاتم حیرت اور خوف سے مبہوت، اس لشکر کو دیکھتا رہا جو لحظہ بہ لحظہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا اس کے ہوش و حواس مختل ہو چکے تھے اور بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اگر پچاس آدمیوں کا گروہ بھی سامنے رہا ہوتا تو شاید وہ اس قدر خوفزدہ نہ ہوتا لیکن وہاں تو معاملہ ہی الگ تھا۔ ایک ایسی موت اس سے قریب تھی جس کا تصوّر ہی جان لیوا تھا۔

چیونٹیاں اس سے بارہ انچ دُور تھیں اور یہی اس کے اور موت کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ تھا۔ اس کی ٹانگوں میں شدید تکلیف ہونے لگی تھی۔ صورتِ حال انتہائی نازک ہو چکی تھی۔

وہ بار بار کوشش کر کے رسّیوں سے پیچھا چھُڑانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

اب سوائے اس کے کوئی صورت نہیں تھی کہ بے بسی سے موت کی گھڑیاں گنی جائیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دل ہی دل میں دُعائیں پڑھنے لگا۔ یکایک اسے گردن پر ایک گرم سی سُوئی چبھتی محسوس ہوئی ... اس نے فوراً ایک ہاتھ گردن پر رسید کیا۔ اور آنکھیں کھول دیں۔ یہ دیکھ کر اس کی رُوح فنا ہو گئی کہ چیونٹیوں کی فوج اس کے جھُولے کے رستے پر سے ہوتی ہوئی جھُولے میں داخل ہو رہی ہے۔

اسی وقت اسے ٹانگوں میں سُوئیاں سی چبھتی محسوس ہوئیں۔ اس نے دیکھا کہ دوسری جانب کا راستہ بھی چیونٹیوں سے سیاہ ہو رہا ہے۔ یہاں تک چھت پر بھی بہت سی چیونٹیاں پہنچ چکی تھیں۔

پھر چیونٹیاں چھت سے اس پر گرنے لگیں۔ وہ چیونٹیاں زیادہ ہی خطرناک ثابت ہوئیں۔

وہ نیچے گرتے ہی غصّے سے جھلا کر اسے نوچنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ اس وقت تک کافی چیونٹیاں اس کے جسم سے لپٹ گئی تھیں۔ وہ درد کے مارے بلبلانے لگا۔ اُسے محسوس ہو گیا کہ جلد ہی چیونٹیاں اسے ڈھانپ لیں گی اور اس کے خوبصورت جسم کا ذرّہ ذرّہ نوچ لیں گی۔

اُف... اس قدر اذیت ناک موت... اس نے کبھی تصوّر بھی نہیں کیا تھا۔

انتہائے یاس میں اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بے بسی کی موت نہیں مرے گا۔

اس نے پوری قوت سے رسّیوں کے ساتھ زور آزمائی شروع کر دی لیکن رسّیاں کچھ اس طرح سے لپٹی ہوئی تھیں کہ وہ انھیں کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے جھُولے کے نیچے ٹٹولا اور اس کی جان ہی تو نکل گئی۔ رسّیاں اس کے جسم سے گزر کر نیچے بندھی ہوئی تھیں۔ ایک دو نہیں پچاسوں گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ آخر کس کس کو کھولتا۔ اور پھر اتنا وقت بھی کہاں تھا۔ چیونٹیاں اس کے جسم سے لپٹی اسے بُری طرح ادھیڑ رہی تھیں۔ وہ ہر لمحے بُری طرح مچلتا اور لاکھ ضبط کے باوجود اس کے حلق سے کربناک چیخ بلند ہو جاتی تھی کمرہ اس کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔

معاً اس کے کانوں میں دروازہ کھُلنے کی آواز آئی۔ اس نے جلدی سے دروازے کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں جمی کی جمی رہ گئیں۔

دروازے میں جیگر کھڑا اُسے گھُور رہا تھا۔ اس کی نگاہیں پہلے تو حاتم کے چہرے پر گڑی رہیں۔ پھر اس نے ان چیونٹیوں کی طرف دیکھا جو اس سے چمٹی بُری طرح اسے نوچ رہی تھیں... پھر اس کی آنکھوں میں کربناک دُھند سی پھیل گئی۔ وہ جذبات سے بے قابو

ہو کر آگے بڑھا۔ اس نے جیب سے چاقو نکالا اور جلدی جلدی اس کی رسیاں کاٹنے لگا۔ رسیاں کٹ گئیں تو اس نے چلا کر حاتم سے کہا۔ "اس ٹب میں جا کر لیٹ جاؤ۔"

حاتم بُری طرح ہاتھ پاؤں جھٹکتا ٹب کی طرف بھاگا۔ نہ جانے وہ کب سے بندھا ہوا تھا۔۔۔ اس وجہ سے اس کا پورا جسم اکڑ گیا تھا۔ بھاگنے کی بجائے وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

جیگر نے جلدی سے بڑھ کر اسے اُٹھایا اور ٹب میں پھینک دیا۔

ٹب میں پانی تھا۔ پانی میں گرتے ہی چیونٹیاں اس کے جسم سے الگ ہو کر پانی میں تیرنے لگیں۔

عین اسی وقت ایک گرجدار قہقہہ سُنائی دیا۔ جیگر چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہوا۔ دروازے میں ایک سیاہ پوش کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔

اگلے ہی لمحے کمرے میں ٹامی گن کا قہقہہ اور جیگر کی آخری چیخ ایک ساتھ سُنائی دی اور یک دم سناٹا چھا گیا۔



صفدر کی آنکھوں میں جھانکتے ہی عمران بُری طرح چونک پڑا۔

پھر جیسے ہی صفدر کی انگلی کا دباؤ ٹریگر پر بڑھا، عمران نے کمرے میں چھلانگ لگا دی۔ صفدر نے اوپر تلے تین فائر کیے۔ چھلانگ لگاتے وقت عمران نے دروازے کے پٹ بھی دھکیل دیے تھے اس لیے دروازہ بند ہو گیا۔ تینوں گولیاں دروازے پر ہی پڑی تھیں۔ دروازے میں سوراخ نظر آنے لگے۔ عمران نے کمرے میں گرتے ہی سنبھلنے کی کوشش کی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

سلیمان بوکھلا کر کچن سے نکلا۔ اس کو دیکھتے ہی عمران غرایا۔ "کچن میں جا جلدی ورنہ چھٹی ہو جائے گی۔"

سلیمان کچن کی طرف بھاگا اور اندر گھس کر دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔

عمران دروازے کی آڑ میں ہو گیا۔ یہ اس کا بیڈ روم تھا۔۔۔ بیڈ روم کا دروازہ اس نے کھُلا چھوڑ دیا اور اوٹ میں دُبکا صفدر کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس نے غور کیا کہ صفدر اس وقت تک تین فائر کر چکا ہے۔ گویا اس کے ریوالور میں مزید تین گولیوں کا امکان تھا۔ عمران کو ان تین گولیوں کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ ان تین ہی گولیوں پر کیا موقوف وہ سینکڑوں گولیوں کی پروا نہیں کرتا تھا آخر سنگ آرٹ جیسا محیر العقول فن کس وقت کام آتا۔

اسے تو بس یہ خدشہ تھا کہ کہیں صفدر کچن میں نہ جا گھُسے۔ اگر صفدر کچن کی طرف چلا جاتا تو سلیمان کی موت یقینی تھی۔ عمران کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ اس نے ذرا سا جھانک کر باہر دیکھنے کی کوشش کی اسی لمحے ایک دھماکا ہوا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹا۔

گولی سنسناتی ہوئی اس کی کھوپڑی سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی تھی۔ صفدر دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا۔ گویا اسے صرف عمران ہی کی تلاش تھی۔ عمران کے ذہن میں اس کی خوابیدہ آنکھیں گھوم گئیں۔ وہ سمجھ گیا کہ صفدر مجرموں کے ہاتھ لگ گیا ہو گا اور انھوں نے کسی طرح اس کے ذہن پر عمران کو قتل کرنے کا خیال نقش کر دیا ہے۔ اس کے لبوں پر بڑی ہی شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے سوچا کہ اگر اس نے صفدر کو اس حال میں چھوڑے رکھا تو ممکن ہے وہ کوئی نقصان کر بیٹھے۔ ظاہر ہے گولیوں کو تو سنگ آرٹ سے ضائع کیا جا سکتا ہے لیکن یہ کیسے پتہ چلتا کہ اُسے کیا کیا ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ یہ سوچ کر عمران نے فوراً اپنی ریڈی میڈ کھوپڑی پر ہاتھ پھیرا اور اگلے ہی لمحے وہ دبے پاؤں ہینگر کی طرف بڑھا۔ وہاں سے اپنا فیلٹ اور ایک چھڑی اتار کر ہاتھ میں لے لی فیلٹ کو چھڑی پر رکھ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ ذرا سا چھڑی کو آگے بڑھایا ہی تھا کہ فائر ہوا اس نے فیلٹ کو جلدی سے واپس کھینچ لیا اب وہ سمجھ گیا تھا کہ صفدر نے کمرے کے باہر کے رخ کھلنے والی کھڑکی کی آڑ لے رکھی ہے۔ اس نے چھڑی کو ایک مرتبہ پھر آگے بڑھایا فائر کی آواز سُنائی دی لیکن اس مرتبہ عمران سے چھڑی کھینچنے میں ذرا تاخیر ہو گئی۔ گولی

فلیٹ پر پڑی اور اسے لیتی ہوئی دور جا گری۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ صفدر کے ریوالور میں اب صرف ایک گولی تھی۔ اب کھیل کو ختم کر دینا ہی مناسب تھا۔

وہ دروازے کی اوٹ سے نکل کر دروازے میں آیا... لیکن ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصّے میں اس کے قدم فرش سے لگتے ہی اچھلے اور وہ دروازے کی دوسری جانب جا گرا۔

صفدر نے فوراً ہی فائر جھونک مارا تھا۔ اب اس کا ریوالور خالی تھا۔ عمران دروازے کے دوسری جانب گرتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔

دفعتاً اسے صفدر دکھائی دیا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا آنکھیں حد درجہ سرخ تھیں بالکل خون کے لوتھڑوں کی طرح اور ان میں گہری ویرانی تھی۔ بادی النظر میں وہ کسی مُردے کی آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ عمران نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

صفدر کے دائیں ہاتھ میں ریوالور تھا۔ عمران پر نگاہ پڑتے ہی اس نے ٹریگر دبا دیا لیکن ٹرچ کی ہلکی سی آواز گونج کر رہ گئی۔

"ریوالور پھینک دو صفدر!" عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

صفدر اس کی آواز سُن کر لرز گیا لیکن اگلے ہی لمحے اس میں حیرت انگیز تبدیلی رُونما ہوئی۔ اس کے حلق سے زخمی درندے کی سی غراہٹ نکلی اور پھر اس نے بڑی پھرتی سے جیب سے چاقو نکال لیا۔

"چاقو پھینک دو صفدر!" عمران دوبارہ غرایا لیکن جواباً صفدر نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس پر اس وقت دیوانگی سوار تھی۔

عمران نے اس کا چاقو والا ہاتھ گرفت میں لے لیا اور پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ چاقو صفدر کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔ عمران نے ہاتھ لہرایا اور پوری قوت سے ایک گھونسہ صفدر کی کنپٹی پر پڑا۔ ہاتھ اس قدر تلا تھا کہ صفدر لہرا کر فرش پر آ رہا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

عمران نے ایک طویل سانس لی اور اس کی تلاشی

لینے لگا۔ صفدر کی جیب سے ایک عجیب وغریب آلہ برآمد ہُوا۔

وہ آلہ بالکل پاکٹ ریڈیو جیسا تھا۔ عمران نے اس کا جائزہ لیا اور پھر کان سے لگا کر کچھ سُننے کی کوشش کرنے لگا لیکن ناکام رہا۔ ایک تار اس ریڈیو نما آلے سے منسلک تھا۔ تار اس وقت بھی صفدر کی جیب میں تھا۔ عمران نے اُسے کھینچنے کی بہت کوشش کی لیکن تار الگ نہ ہُوا۔

عمران نے تار کا وہ سرا الگ کر دیا جو ٹرانسمیٹر نُما آلے میں لگا ہوا تھا۔ تار الگ کر کے اس نے دوسرے سرے کو کھینچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

عمران نے صفدر کی جیب پھاڑ دی لیکن پھر گھٹنے کے بالائی حصّے کو دیکھ کر وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ تار کا دوسرا سرا پتلون کے سوراخ سے اندر گھس کر اس کی ران سے لپٹا ہوا تھا اور آخری حصّہ کسی انجکشن کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ انجکشن صفدر کی ران میں پیوست تھا۔

عمران نے بڑی احتیاط سے انجکشن باہر کھینچ لیا۔ سُوئی کے باہر آتے ہی خون کی باریک سی لکیر نکلی اور صفدر کے جسم کو جھٹکا سا لگا۔

عمران نے سُوئی کی نوک کا جائزہ لیا۔ تار سے سبز رنگ کا سیّال صفدر کے جسم میں منتقل ہو رہا تھا۔ عمران پُرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے ریڈیو نما آلے کو کھولا۔ اس میں ایک ٹیوب رکھی ہوئی تھی جس کا مُنہ تار سے منسلک تھا۔ تار اندر سے کھوکھلی تھی اور اس سوراخ سے سیّال صفدر کے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔ عمران کے ہونٹوں پر اطمینان کی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

وہ اس ریڈیو نما آلے کی ٹیکنیک سمجھ گیا تھا۔ اس میں ایک ڈرائی بیٹری تھی جس سے ریڈیو نما آلے کا سرکٹ کام کرتا تھا۔ بیٹری کی وجہ سے ایک ننھا سا پمپ ٹیوب کو دبا رہا تھا... ٹیوب بڑے ہی غیر محسوس انداز میں دبتی تھی اور اس میں بھرا ہوا وہ گاڑھا سیّال بہہ کر نالی دار تار میں چلا جاتا تھا۔

عمران نے میڈیکل بکس نکالا اور صفدر کی ران پر کوئی دوا لگا کر پٹی باندھ دی۔ صفدر پر گہری بے ہوشی طاری تھی۔ عمران غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ دھیرے دھیرے وحشت کے آثار ختم ہو رہے تھے۔ اس نے چیونگم کا پیکٹ نکالا اور دو تین پیس مُنہ میں ڈال کر کچن کا رُخ کیا۔ کچن کا دروازہ اس وقت بھی بند تھا۔ عمران نے دروازے پر دستک دی۔

”کک... کون ہے؟“ سلیمان کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”دروازہ کھولو۔ میں ہُوں۔ تمھارا بدنصیب خالو جان؟“ عمران نے کراہ کر جواب دیا۔ سلیمان نے دروازہ کھولا اور کھوپڑی باہر نکال کر جھانکنے لگا۔ عمران پر نگاہ پڑتے ہی سلیمان کی جان میں جان آئی۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور عمران نے اسے بیرونی دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔

سلیمان نے دروازہ بند کر دیا۔ عمران نے ایک نظر پورے فلیٹ پر ڈالی لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اب کوئی اس کی تاک میں موجود نہیں ہے۔

پھر اس نے سلیمان کی طرف دیکھا جس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ ”آج ناشتہ نہیں ملے گا کیا؟“ عمران نے کراہ کر کہا۔

”نام بھی مت لیجئے گا۔“ سلیمان ہاتھ نچا کر بولا۔ ”جب بھی ناشتے کا تذکرہ آیا ٹھائیں ٹھوئیں شروع ہو گئی۔“

”ہائیں۔ تو کیا آج کے بعد اس گھر میں ناشتہ نہیں بنے گا؟“ عمران نے سر پکڑ لیا۔

”نہیں۔“ سلیمان نے سخت لہجے میں کہا اور کچن کی طرف گھوم گیا کیونکہ عمران کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

نہ جانے یہ ان آنسوؤں کا اثر تھا یا پھر سلیمان ہی کی کھوپڑی بہکتے بہکتے سیدھی ہو گئی تھی۔ وہ کچن میں جاتے ہی ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گیا لیکن اس نے ناشتہ بنانے سے پہلے دروازہ اچھی طرح بند کر کے بولٹ کر دیا تھا۔

دفعتًا دروازے کی گھنٹی بجی اور سلیمان کے ہاتھ سے چمچہ گر گیا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا اور بڑبڑایا۔ ”پھر وہی چکر... آج ناشتہ

بنانا ہی نحوست ہے پھر اس نے چائے کی کیتلی اتار کر آگ بجھا دی۔

عمران نے چونک کر کال بیل کی آواز سُنی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دراز سے ریوالور نکالا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بڑے ہی غیر محسوس انداز میں بولٹ گرایا اور چند لمحے توقف کے بعد دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر باہر کھڑے ملاقاتی کو اندر گھسیٹ لیا۔

ایک گھٹی گھٹی نسوانی چیخ سنائی دی اور عمران کے گال پر ایک کرارا سا طمانچہ پڑا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے جولیا کھڑی تھی اور خونخوار نظروں سے اُسے گھور رہی تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی۔؟" جولیا غرّائی۔

"کیا بتاؤں۔ آج ناشتہ کرنا بھاری ہو رہا ہے۔ جب بھی کوشش کی، کوئی نہ کوئی ٹپک پڑا۔ اب تو دوپہر کے کھانے کا ہی بندوبست کرنا پڑے گا" عمران نے جواب دیا اور ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

جولیا حیرت سے اسے گھور رہی تھی "کیا بات ہے۔ کیا ملاقاتیوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے ریوالور استعمال کرنے لگے ہو؟"

"کیا بتاؤں جولی۔ بس کچھ مقدر ہی ایسا ہے۔ جو بھی ملاقاتی آتا ہے وہ موت کا فرشتہ ثابت ہوتا ہے۔ کہیں تم بھی تو ملک الموت سے ساز باز کر کے نہیں آئی ہو۔ میرا مطلب ہے۔ لاحول ولا۔ ساز باز تو سُنا ہے شادی کو کہتے ہیں"

"شٹ اپ" جولیا پاؤں پٹخ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ جیسے ہی کمرے میں پہنچی، ٹھٹھک کر رہ گئی۔ سامنے ہی فرش پر صفدر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ سامنے تھی اور ران پر بندھی ہوئی پٹی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ الجھن آمیز نگاہوں سے صفدر کو اور عمران کو گھورنے لگی "یہ کیا حرکت ہے؟"

"بس حرکت ہی سمجھو۔ برکت کا تو نام و نشان تک نہیں ہے" عمران نے درویشانہ انداز میں جواب دیا۔

"میں پوچھتی ہوں صفدر کو کیا ہُوا ہے؟" جولیا غرّائی۔

"ابھی ہوش آ جائے گا۔ خود معلوم کر لینا" عمران نے صفدر کی طرف دیکھا، جو اب ہوش میں آ رہا تھا۔ اس کی پلکیں لرز رہی تھیں۔ یکایک اس نے آنکھیں کھول دیں اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ عمران اور جولیا پر پڑی، وہ بُری طرح چونک پڑا۔ اور حیرت سے پلکیں جھپکا کر باری باری ان کو دیکھنے لگا۔

عمران کی نگاہیں صفدر پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اب پہلی سی ویرانی نہیں تھی۔ البتہ اس کی آنکھ میں تحیّر کی جھلک بہت واضح تھی۔ وہ یوں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جیسے الجھ رہا ہو کہ وہاں کیوں کر پہنچا ہے۔

"السلامُ علیکم یا صفدر صاحب" عمران نے ہانک لگائی۔

"لیکن... لیکن میں یہاں کس طرح پہنچ گیا۔ ارے آہ" صفدر نے چونک کر اپنی ران کی طرف دیکھا اور استفسار طلب نظروں سے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا پھر فائرنگ کا موڈ ہو رہا ہے؟" عمران گھبرا کر بولا۔

"کیسی فائرنگ؟" صفدر حیرت سے بولا۔

"ہائیں۔ یعنی پورا محلّہ میری خیریت دریافت کرنے چلا آیا تھا۔ تم نے مجھ پر پوری چھ گولیاں چلائی تھیں۔ کیا تمھیں یاد نہیں۔ ہائے ستم گر" عمران سینے پر دو ہتڑ مار کر بین کرنے لگا۔

"کیا بات ہے جولی عمران صاحب کس فائرنگ کا تذکرہ کر رہے ہیں؟" صفدر نے عمران کی ذہنی رَو بہکتے دیکھی تو جولیا سے دریافت کیا۔

"پتہ نہیں۔ میں جب آئی تھی تو یہ حضرت ریوالور بدست تھے"

"توبہ توبہ۔ کیسا زمانہ آگیا ہے۔ آج کل کی عورتیں کتنی بے باکی سے ہر بات کا تذکرہ کر دیتی ہیں۔ لاحول ولا۔ اسی لیے تو میں شادی نہیں کرتا"

"بکواس مت کرو" جولیا غرّائی۔

"حالانکہ آج کل زبان درازی کا حق سبھی کو حاصل ہے۔ میرا مطلب ہے پریس آزاد ہے اور زبان بندی کے دن گزر گئے" عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"آخر آپ بتلاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہے؟" صفدر جھنجھلا گیا۔

عمران نے جواباً پوری تفصیل سے اُسے آگاہ کیا تو

صفدر حیرت سے منہ پھاڑے اس کی صورت دیکھنے لگا۔
جولیا نے بے یقینی سے اسے دیکھا لیکن عمران نے جب گولیوں کے وہ نشانات دکھائے جو صفدر کی فائرنگ سے بنے تھے تو دونوں کو یقین آ گیا۔ صفدر کا بیان بھی حیرت انگیز تھا۔
اس نے لاش گھر میں لاشوں کے زندہ ہونے اور دیگر تمام حالات بڑی تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا کہ آخر میں اس کی کھوپڑی پر کوئی وزنی چیز مار کر بے ہوش کر دیا گیا تھا اور اسے اس کے بعد کسی بات کی خبر نہیں کہ کیا ہوا ہے!
عمران نے وہی ریڈیو نما آلہ اٹھایا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے سے چمک اٹھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پراسرار مسکراہٹ نظر آئی۔ وہی مسکراہٹ جو عموماً کامیابی کے قریب کی علامت ہوتی تھی۔ جولیا اور صفدر اسے خاموشی سے گھورتے رہ گئے عین اسی وقت سلیمان نے دوپہر کے کھانے کا اعلان کیا اور عمران پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔



رات بے حد سرد اور تاریک تھی۔ اسٹریٹ لائٹس کا گلا کہرے نے گھونٹ دیا تھا۔ انسپکٹر شاہد نے جیب ٹٹول کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگانے لگا۔ اسی وقت گھڑیال نے دو بجائے... اس نے ایک طویل سانس لی اور سگریٹ کا گہرا سا کش لگا کر آگے بڑھنے لگا۔ اس کے قدموں میں معمولی سی لڑکھڑاہٹ تھی یہ تھکن کی علامت تھی لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے تین بجے تک گشت کرنا تھا۔ ان دنوں دارالحکومت میں حیرالعقول وارداتوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا تھا اور آنڈی لوجی کا نام پھر ابھر آیا تھا۔
انسپکٹر شاہد نے ان ہنگاموں کے شروع ہوتے ہی اپنے علاقے میں گشت کا پروگرام بنا لیا تھا۔ وہ رات کو دس بجے سے تین بجے تک بذاتِ خود علاقے میں گھومتا تھا یہ اس کی فرض شناسی ہی تھی کہ اس نے پورے علاقے میں پولیس کے گشت کا کچھ اس طرح سے انتظام کیا تھا کہ ذرا سی گڑبڑ بھی پولیس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔
خود آفیسر کسی کام میں دلچسپی لے تو ماتحت بجلی کی طرح کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے تمام ماتحت بڑی فرض شناسی سے تین بجے تک ان مقامات پر گھومتے رہتے جہاں ان کی ڈیوٹی لگائی جاتی تھی۔
انسپکٹر شاہد نے سگریٹ کا کش لگایا اور سامنے دیکھنے لگا... لیکایک اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس نے کسی عورت کو دیکھا تھا۔ لیکن کیا واقعی وہ کوئی عورت تھی۔ اس نے آنکھیں مل مل کر دیکھا وہ عورت تھی لیکن بے حد لمبی عورت اس کا سر اونچے درختوں کی شاخوں سے چھو رہا تھا۔ وہ بڑی آہستگی سے چلی آ رہی تھی۔
شاہد حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔
وہ لپک کر ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ اس وقت وہ ٹیبری کے علاقے میں نکل آیا تھا۔ بالکل تنہا۔ نہ جانے دوسرے گشت کرنے والے سپاہی اس وقت کس حصے میں تھے۔ اس نے جلدی سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔
عورت اب اس سے دس فٹ کے فاصلے پر تھی جیسے ہی وہ کچھ اور نزدیک پہنچی، شاہد کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا کیونکہ عورت ملبوس نہیں تھی شاہد نے ایک طویل سانس لی اور جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر کاشن دینے لگا۔ "ہیلو۔ آر ون... آر ون۔ ایس... ایس دس سائیڈ"
دوسری طرف سے فوراً ہی فیاض کی آواز سنائی دی۔
"میں شاہد ہوں جناب!"
"کیا بات ہے تم گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"
"میرے سامنے اس وقت ایک طویل القامت عورت ہے لیکن حسین اور عجیب سی غیر ملبوس..."
"کیا تم نے پی رکھی ہے شاہد" فیاض غرایا۔
"یہ حقیقت ہے جناب۔ وہ مجھ سے صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر ہے۔ وہ رک گئی ہے جناب اور ادھر ادھر اس طرح دیکھ رہی ہے جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو"

"کہاں سے بول رہے ہو۔ اگر یہ جھوٹ ہوا تو تمہاری کھال اتار دوں گا"، فیاض دھاڑا۔

شاہد نے جگہ کے بارے میں بتایا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ ریوالور سنبھالے وہ درخت کی اوٹ میں چھپا اس عورت کو دیکھ رہا تھا جو دائیں بائیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ اور پھر شاہد کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

عورت شاید اسی کو تلاش کر رہی تھی لیکن کیوں؟ اسے کس طرح معلوم ہوا کہ آس پاس کوئی چھپ کر اس کی نگرانی کر رہا ہے؟ ایسے ہی کئی سوالات اس کے ذہن میں ابھرے۔۔ لیکن حیرت زدہ ذہن کے پاس کسی ایک سوال کا جواب بھی نہیں تھا۔

عورت کے اور اس کے درمیان فاصلہ کچھ اور گھٹ گیا۔ شاہد کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ اس کے سامنے دُنیا کی حیرت انگیز عورت کھڑی تھی۔ عورت کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی جیسے آنکھوں کی بجائے چمک دار بلب روشن کر دیے گئے ہوں۔

"تم جو کوئی بھی ہو سامنے آ جاؤ"، ایک بھرائی ہوئی نسوانی آواز سُنائی دی۔ شاہد کے پورے جسم نے پسینہ اگلنا شروع کر دیا۔ آواز اس قدر تیز تھی کہ اس کے کانوں کے پردے پھاڑتی ہوئی ذہن میں گھس رہی تھی۔ وہ خاموشی سے کھڑا رہا۔ آواز سُن کر وہ بڑی طرح چونک پڑا تھا یہ تو ظاہر ہو گیا تھا کہ اس عورت کو اسی کی تلاش تھی لیکن کیوں؟

شاہد نے اس عورت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اسی درخت کے تنے سے چپکا کھڑا رہا۔ اُسے فیاض کا انتظار تھا جو کسی بھی وقت پہنچنے والا تھا۔

"تو تم باہر نہیں آؤ گے؟ میں تمہیں صرف آدھ منٹ کی مہلت دیتی ہوں"، عورت سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی لیکن یہ سرسراہٹ کچھ اتنی خوفناک تھی کہ شاہد کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اُٹھی۔ اس نے اس مرتبہ بھی جواب نہیں دیا تھا۔

"وقت گزر گیا ہے"، کچھ دیر بعد عورت کی آواز پھر گونجی۔

شاہد نے ایک طویل سانس لیا اور سڑک پر آ گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ عورت کا ردِ عمل کیا ہو گا لیکن وہ حسین عورت اتنی بھیانک تھی کہ وہ اس کے حکم پر عمل کیے بغیر نہ رہ سکا۔ عورت نے جھک کر اس کی طرف دیکھا اور شاہد کا جسم لرز گیا۔ اس کی آنکھوں میں نجانے کیسی چمک تھی کہ وہ اس سے نگاہیں چار کرتے ہی کانپ گیا تھا۔

"تم بے حد حسین ہو نوجوان۔ لیکن ہو کچھ بزدل۔ میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں"، یہ کہہ کر وہ کچھ اور جھک گئی۔ شاہد کی کپکپاہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ حیرت سے گنگ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ تم کون ہو؟" شاہد نے تھوک نگل کر کہا۔

"میں ایک عورت ہوں۔ اس دُنیا کی حسین ترین اور طاقتور عورت۔ کیا تم مجھ سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو۔ بولو۔ جواب دو۔ میں تنہائیوں سے اکتا گئی ہوں۔"

"ارے۔۔۔ تمہاری تلاش میں تو یہ گنہگار دیوانہ وار پاگل خانے سے فرار ہو کر یہاں تک آ پہنچا ہے"، ایک چہکار سُنائی دی۔

"کون؟" عورت چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"تمہارا علی عمران ایم ایس سی"، کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے عمران نے جھک کر کورنش بجا لاتے ہوئے جواب دیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"اوہ۔ تم بھی بہت خوبصورت ہو نوجوان میرے قریب آؤ۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن میں تو تمہارے گھٹنوں تک آؤں گا"

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں اوپر اُٹھا لوں گی۔" عورت مسکرائی۔

"اس کی نہیں ہوتی"، عمران نے جواب دیا۔

"قریب آؤ"، عورت غرائی۔

عمران کپکپاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ عورت نے جھک کر عمران کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور عمران کسی ہلکے پھلکے بچے کی طرح اس کے ہاتھوں میں اُٹھتا چلا گیا۔ عورت نے اُسے اُٹھا کر اپنے چہرے کے قریب کر لیا۔

"تم کون ہو؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"میں ایک تباہ حال پبلشر ہوں۔ ان دنوں کاغذ

کی مہنگائی کی وجہ سے جوتے چٹخار رہا ہوں۔ اب سوچا ہے کہ مریخ پر چلا جاؤں اور وہاں پتھروں پر درخواستیں لکھ لکھ کر زمین پر پھینکنا شروع کردوں۔ شاید اسی طرح لوگوں کو میرے حال پر رحم آجائے۔"

"تم بہت دلیر آدمی ہو۔ جی چاہتا ہے۔۔۔"

"نہ۔۔۔نہ۔۔۔نہیں محترمہ۔" عمران نے گھبرا کر کہا۔ وہ اس وقت خود کو انتہائی چغد محسوس کررہا تھا۔ سچویشن تھی بھی مضحکہ خیز۔ عمر بھر عورتوں سے دور رہنے والا عمران اس وقت ایک بارہ فٹ لمبی۔ دیو قامت عورت کے ہاتھوں میں بلند تھا۔

"مجھ سے شادی کروگے؟"

"شش۔۔۔شادی۔" عمران نے حیرت سے کہا۔ "کیا تم انڈے دے سکتی ہو؟"

"نہیں۔ لیکن تمہیں دوبارہ انڈہ ضرور بنا سکتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس عورت نے بازو لہرایا اور پوری قوت سے عمران کو نیچے پھینک دیا۔ عمران چھت سے گرتی ہوئی اینٹ کی طرح نیچے گرنے لگا۔ لیکن سڑک پر گرتے ہی وہ کچھ یوں سنبھل گیا جیسے اچھل کر زمین پر آرہا ہو۔

اس نے سڑک پر گرتے ہی ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ انسپکٹر شاہد تو عین اس وقت درخت کی طرف چھلانگ لگا گیا تھا جب عورت نے عمران کو نیچے پھینکا تھا۔ ریوالور نکال کر اس نے خود کو درخت کے تنے کے پیچھے چھپا لیا۔

عمران نے ریوالور کی نال اس عورت کی طرف اُٹھائی اور فائر کردیا۔ فائر کی آواز سے ماحول کا سکوت درہم برہم ہوگیا۔ درختوں میں سوئے ہوئے پرندے بیدار ہوگئے۔ ایک شور برپا ہوگیا۔ اس شوروغل میں پُراسرار عورت کا ہذیانی قہقہہ سب سے بلند تھا۔ فائر ہُوا اور گولی عورت کو پیٹ پر لگتی بھی دکھائی دی۔ لیکن عمران کی آنکھیں حیرت سے پھٹ کر رہ گئیں۔ اس نے دوسرا فائر کیا لیکن اس مرتبہ بھی گولی بیکار گئی۔

انسپکٹر شاہد نے درخت کی آڑ سے اُوپر تلے دو تین فائر جھونک مارے اور ریوالور کی نال کو دیکھنے لگا، جیسے اُسے شبہہ ہو کہ گولی چلی بھی ہے یا نہیں۔ نال سے دھواں اُٹھ رہا تھا اس لیے شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ لیکن گولیاں ضائع گئیں۔

عورت پھر عمران کی طرف جھکی۔ "دیکھ لیا اپنی گولیوں کا اثر! یہ مجھ پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں۔"

"ہاں۔" عمران غرایا۔ "بے حیا عورتوں پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی۔"

"بڑی حسین باتیں کرتے ہو۔" یہ کہہ کر عورت نے دوبارہ اسے اٹھانے کی کوشش کی اس مرتبہ عمران پہلو بچا گیا۔ عورت نے دوبارہ کوشش کی لیکن ناکام رہی۔

اچانک چاروں طرف سے درجنوں پولیس کے سپاہی نکل آئے اور انھوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ فیاض ان میں پیش پیش تھا۔ شاید وہ سب لوگ کہیں چھپے اس کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔

"بے کار ہے سوپر۔ فائرنگ مت کرنا۔" عمران چلایا۔

عورت نے قہقہہ لگایا اور اس پر جھپٹ پڑی۔ عمران نے پہلو بدلا اور ایک طرف ہوگیا۔ اسی لمحے اس کا پاؤں کسی پتھر سے ٹکرایا اور وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔

عمران کے گرتے ہی عورت تیزی سے اس پر جھپٹی اور عمران پر جھک کر اسے اُٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔ اچانک عمران نے فائر کردیا۔ اس مرتبہ دھماکے کے ساتھ ایک فلک شگاف چیخ سُنائی دی۔ گولی عورت کی آنکھ پر لگی تھی۔ آنکھ کے مقام پر گہرا شگاف دکھائی دیا اور وہ پلٹ گئی۔ خون بہہ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین پر آرہی۔ عمران اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا چکر ہے یار۔ یہ اتنی لمبی اور دیو نما عورت کہاں سے آگئی۔" فیاض عمران کے قریب آتا ہوا بولا۔

"کیا سمجھتے ہو مجھے۔" عمران نے اکڑ کر کہا۔ "اب تو دوسرے سیاروں پر بھی میری مانگ ہونے لگی ہے۔ اسے غالباً مریخ کی عورتوں نے بھیجا تھا۔"

"حیرت انگیز۔" فیاض بڑبڑایا۔ "لیکن گولیاں اس کے جسم پر اثر انداز کیوں نہیں ہوئیں۔"

"۔۔۔ شاید اس نے بلٹ پروف پہن رکھا ہے۔"

"بلٹ پروف۔" فیاض نے بونقوں کی طرح منہ پھاڑ کر کہا۔ "تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے؟"

"اب کیا ہوگا سوپر۔ جب اس نے مجھے گود لے

لیا تھا۔ لاحول ولا۔ میرا مطلب تھا۔ اس نے مجھے ہاتھ میں اُٹھالیا تھا تو میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔ اب کیا ہوگا؟"

"تو پھر اس نے بلٹ پروف کہاں پہن رکھا ہے؟"

"آؤ دکھاؤں۔" عمران نے کہا اور عورت کی لاش کی طرف بڑھ گیا۔ "افسوس۔ کاش! میں اس کی شادی کی پیش کش مان لیتا۔ سب لوگ یہی کہتے کہ میں نے بیک وقت تین عورتوں سے شادی کی ہے۔ کیوں سوپر۔ یہ عام سائز کی عورتوں سے تین گنا بڑی تو ہوگی؟"

"معلوم نہیں۔ تم وہ بلٹ پروف والی بات ثابت کرو۔"

عمران عورت کی لاش پر جھک گیا۔ اس نے ٹانگ پر ہاتھ پھیرا اور چٹکی میں اس کی جلد تھام لی۔ ذرا سی زور آزمائی کے بعد جلد اُدھڑ کر اس کے ہاتھ میں آگئی۔ وہ اس کی پوری ٹانگ سے جھلی اتارنے کے بعد فیاض کی طرف دیکھنے لگا۔ جو حیرت سے بت بنا اسے گھور رہا تھا۔

جھلی کے نیچے ریشمی کپڑے تھے اور کپڑوں کے نیچے بلٹ پروف۔

"کیوں سوپر۔ کچھ آیا خیال شریف میں۔ چلو۔ اب اُٹھواؤ اسے۔ جنازہ اُٹھانے والوں اور گورکن کی بھی طبیعت صاف ہوجائے گی۔"

فیاض ہنسنے لگا۔ "یار یہ تو وہی معاملہ دکھائی دیتا ہے۔" چند لمحے بعد وہ بولا۔

"کون سا معاملہ؟" عمران نے چونک کر پوچھا۔

"مندریکر والا۔ وہی سائنسدان جس نے کئی فٹ لمبے مرد اور عورتیں بنائی تھیں۔"

"ہاں۔ لیکن مندریکر تو جہنم رسید ہوگیا تھا۔ اب اس کا کوئی دوسرا بھائی بند آگیا۔ اپنی تو زندگی ایسوں ہی کے چکر میں گزر جائے گی۔" عمران نے کہا اور ایک طویل سانس لے کر منہ چلانے لگا۔



"میں مریخی شہزادہ ہوں۔" عمران نے ہانک لگائی۔ "پچھلے سال میری دُم جھڑ گئی تھی جس کی وجہ سے میں بدنما قرار دے دیا گیا تھا۔ دُم جھڑ کر یہیں کہیں گری تھی۔ میں اپنی دُم واپس لینے آیا ہوں۔ میری دُم واپس کردو، دُنیا والو ورنہ تباہی مچادوں گا۔" عمران نے دیدے نچائے اور اچھل کود مچانے لگا۔ اس وقت وہ جیگر کے بار میں تھا۔ حاتم علی کی طرف سے دو دن ہوئے کوئی پیغام نہیں ملا تھا اس لیے وہ بے چین ہوگیا تھا۔

اس وقت وہ اپنے دھنک رنگ کپڑوں میں کسی سرکس کا مسخرہ ہی لگ رہا تھا۔ چہرے پر حماقتوں کی دبیز تہیں تھیں۔ میک اپ کرتے وقت اس نے خود کو انتہائی مضحکہ خیز بنالیا تھا۔ تھوڑی بہت جو کسر تھی وہ اس کے حماقت مآب چہرے نے پوری کردی۔ وہ سراپا حماقت بنا بار میں موجود تھا۔ ستم یہ کہ وہ اس وقت بہکے ہوئے شرابی کی اداکاری کررہا تھا۔ بار میں موجود تقریباً سبھی لوگ اس کی طرف متوجہ تھے۔

البتہ ایک شخص ایسا بھی تھا جو قہر آلود نگاہوں سے اُسے گھور رہا تھا۔ اس کے بال کھچڑی تھے اور چہرہ جھرّیوں دار، وہ شراب خانے کے ایک کونے میں بیٹھا پی رہا تھا۔ اس کی آنکھیں جلتے ہوئے کوئلے کی طرح دہک رہی تھیں۔ اب تک اس کے ہونٹوں پر ایک مرتبہ بھی مسکراہٹ نہیں پیدا ہوئی تھی۔

ادھر عمران ایک میز پر کھڑا یوں ہانک رہا تھا جیسے کوئی اشتہاری دوافروش مجمع لگائے چیخ رہا ہو۔

"مریخ میں تم کیا کام کرتے تھے؟" ایک شرابی نے پوچھا۔

"میں مریخی ریڈیو اسٹیشن کے سامنے حلیم کی دیگ لگایا کرتا تھا۔"

"لیکن ابھی تو تم خود کو شہزادہ بتا رہے تھے۔"

"ہاں۔ ہمارے یہاں شہزادے یہی کام کرتے ہیں۔"

"اور وہ دُم کا کیا قصہ ہے؟" ایک نے دوبارہ اُکسایا۔

"وہ دُم مجھے ورثے میں ملی تھی۔ میں نے اُسے ایک سرجن سے فٹ کروالیا۔ دراصل میری محبوبہ یک چشم کو کسی دُم دار شوہر کی ضرورت تھی۔ مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔"

"ابے کیوں بہک رہا ہے۔ بیٹھ جا۔ ورنہ بہت مار لےگا۔" بوڑھا شرابی غرّایا۔

"ہائیں۔ بڑے میاں تمھیں کیا ہُوا۔ کہیں چڑھ تو نہیں گئی۔" عمران نے چونک کر اس بوڑھے کی طرف دیکھا جو پھاڑ کھانے والے انداز میں اُسے گھور رہا تھا۔

یہ وہی بوڑھا تھا جو کونے میں بیٹھا بڑی دیر سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

بوڑھے کی آنکھوں کی سُرخی اس وقت کچھ اور بڑھ گئی تھی اس نے گھور کر عمران کی طرف دیکھا انداز ایسا ہی تھا جیسے عمران کی بات اسے بہت بُری لگی ہو۔

"چُپ چاپ بیٹھ جا۔ ورنہ کھال گرا دُوں گا" بوڑھے نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"یہی ہے چور۔ لاؤ میری دُم کہاں ہے" عمران یکدم دھاڑا۔

"ابے گدھے میں تمہاری دُم کیوں چُرانے لگا میری اپنی دُم کچھ کم ہے" بوڑھا غرّاتا ہوا اُس کی طرف لپکا۔ "کل کلاں کو تم کہو گے میں تمہارے سینگ بھی لے بھاگا تھا"

"ہائیں۔ تو سینگ بھی تمہارے پاس ہیں؟" عمران چونک کر بولا" تو پھر یقیناً میرے انڈے بھی تمہارے ہاتھ لگ گئے ہوں گے۔ میں تم سے ایک ایک چیز وصول کر لوں گا بوڑھے اُلّو۔ بلکہ ضعیف اُلّو کی دُم، فاختہ کے بچّے" عمران دانت پیستا ہوا آگے بڑھا۔

"تم یوں نہیں مانو گے" بڈھا مٹھیاں بھینچ کر اس کی طرف بڑھا۔

دونوں بار کے وسط میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔ یکایک بوڑھے نے عمران پر چھلانگ لگا دی اور عمران خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگا۔ ساتھ ہی کراہ کر بولا "بڑے میاں کیوں سفید بالوں کے دشمن ہوئے ہو جاؤ خضاب وغیرہ لگا کر آؤ۔ ورنہ مجھے تم پر غصہ نہیں آئے گا"

"بکواس مت کرو" بوڑھے نے غرّا کر ہاتھ لہرایا۔

عمران پھرتی سے نیچے بیٹھ گیا۔ بوڑھے کا ہاتھ اس کے سر کے اوپر سے گھوما۔ ہاتھ کچھ اس طرح گھوم گیا تھا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اور لڑکھڑا کر گر گیا۔ عمران کود کر اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے بوڑھے کے کوٹ کا کالر تھام لیا اور یوں ہلانے لگا جیسے گھوڑے کی لگامیں تھامے اسے ایڑ لگا رہا ہو۔

"کیوں بڑے میاں" اس نے سرگوشی کی "ایسے میں اگر یہ سفید بال اتر جائیں تو کیسا رہے" یہ کہہ کر اس نے مزید زور شور سے ہلانا شروع کر دیا۔

"بس اب ہٹ جاؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا" بوڑھے نے دبے دبے لہجے میں کہا۔ آواز اس قدر دھیمی تھی کہ قریب ترین میز پر بیٹھا ہوا کوئی شخص بھی نہیں سُن سکا۔

وہ تنویر تھا اور اس وقت بوڑھے کے میک اپ میں تھا لیکن عمران سے بہت دیر پہلے بار میں آیا تھا۔ حکم ایکس ٹو کا تھا ورنہ وہ اور عمران کے ساتھ۔۔ ناممکن سی بات تھی۔

عمران اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔

"ابے باپ برابر بڈھے کے ساتھ لڑتا ہے" ایک شرابی نے عمران کا کالر پکڑ کر کھینچا۔

"تو بیٹے کے برابر بڈھا کہاں سے لاؤں" عمران نے دردناک لہجے میں کہا، پھر جھٹکے سے کالر چھڑا لیا اور پلٹ کر ایک زوردار گھونسہ اس کے مُنہ پر مارا۔ گھونسہ اس قدر شدید تھا کہ وہ چیختا ہوا نہ صرف کئی قدم پیچھے ہٹا بلکہ لڑکھڑا کر میز سے ٹکرایا اور میز الٹ گئی میز پر رکھی ہوئی شراب کی بوتلیں گر کر چکنا چور ہو گئیں اس میز پر بیٹھے ہوئے تین آدمی جھلا کر اس شخص پر پل پڑے اور انھوں نے مارے گھونسوں اور لاتوں کے اس کا بھرکس نکال دیا۔

بار میں ہنگامہ ہو گیا ایک عجیب ہاؤ ہو کا شور مچ گیا۔ تقریباً سبھی ایک دوسرے سے بھڑ گئے تھے۔

عمران نے تنویر کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ وہ غرّاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ عمران نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ تنویر غرّاتا ہوا اُس کی طرف بڑھتا رہا اور وہ پیچھے ہٹتا رہا یہاں تک کہ کاؤنٹر سے جا لگا۔ اگلے ہی لمحے تنویر نے ہاتھ لہرایا۔

گھونسہ عمران کے جبڑے پر پڑا اور وہ الٹ گیا۔ الٹ کر وہ کاؤنٹر پہ گرا تھا اور پھر لڑھک کر کاؤنٹر کی دوسری سمت جا پڑا۔ تنویر چھلانگ لگا کر کاؤنٹر پر چڑھ گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوسری طرف کود کر عمران کے پیچھے ہی لپکا۔

عمران نے شراب سے بھری ہوئی بوتلوں کا رُخ کیا کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے آدمی نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن عمران نے پوری قوت سے ایک بوتل اس

کے سر پر دے ماری وہ تیورا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

عمران نے بوتلیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیں بظاہر تو وہ تنویر پر بوتلیں پھینک رہا تھا لیکن ہر بوتل اس کے اوپر سے یا دائیں بائیں سے گزرتی ہوئی بار میں ایک دوسرے سے برسر پیکار لوگوں پر گر رہی تھی۔

بوتلوں کی بارش نے اور آفت برپا کر دی۔ اس ہاؤ ہو میں چیخیں اور کراہیں بھی شامل ہو گئیں۔ جس کے بوتل لگتی وہ نیچے گرتا اور پھر بدمست شرابیوں کا گروہ اُسے کچلتا ہوا گزر جاتا۔

الماری سے بوتلیں نکالتے نکالتے عمران نے کسی کل کو حرکت دی الماری گھوم گئی اور کاؤنٹر کا مُنہ بند ہو گیا۔

اب ایک دروازہ ان کے سامنے تھا۔ ۔ ۔

اس قدر کشادہ کہ وہ بہ آسانی اس میں سے گزر سکتے تھے۔ تنویر عالمِ استعجاب میں عمران کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ عمران لپک کر دروازے سے اندر گھس گیا۔ تنویر نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر وہ بھی اس کے پیچھے ہی بڑھ گیا۔ اب وہ ایک تاریک کمرے میں تھے۔ ہلکی سی سیلن کی بو محسوس ہو رہی تھی جیسے اس کمرے کو برسوں سے نہ کھولا گیا ہو۔

عمران نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دیوار کو ٹٹول کر روشنی کر دی تنویر نے بغور چاروں طرف دیکھا۔ بادی النظر میں یہ کمرہ سٹور روم ہی دکھائی دیتا تھا لیکن وہاں تھوڑے سے فرنیچر اور چند خالی بوتلوں کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں تھی۔

"یہاں تو کچھ دکھائی نہیں دیتا" تنویر بڑبڑایا۔

"کیا دیکھنے کا ارادہ ہے۔ ہاتھوں کا ہو تو دکھاؤں چند ہاتھ"

"بکو مت۔ ۔" تنویر غرّایا۔ "اپنے کام سے کام رکھو"

"بیویوں جیسی باتیں نہ کرو۔ اس وقت ہم تنہا ہیں" عمران نے بائیں آنکھ دباتے ہوئے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

کمرے میں ایک طرف میز رکھی ہوئی تھی جس کے گرد چار کرسیاں بھی تھیں۔ عمران تنویر کو اشارہ کرتا ہوا اُس طرف بڑھ گیا" بیٹھو" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" تنویر غرّایا۔ "تم یہاں بیٹھنے آئے ہو"

"بیٹھ جاؤ" عمران غرّایا۔ اس کا لہجہ یکایک بھیانک ہو گیا۔ تنویر کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اُٹھی۔ نہ جانے یہ وقتی مصلحت تھی یا وہ واقعی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ بہرطور، وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

تنویر جیسے ہی کرسی پر بیٹھا عمران نے دونوں ہاتھوں سے میز کے کنارے تھام لیے اور پھر اس نے پوری قوت سے میز کو گھمانا شروع کر دیا۔ دوسرے یا تیسرے جھٹکے میں میز گھوم گئی۔ ساتھ ہی ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی اور فرش کا وہ حصہ تیزی سے نیچے دھنسنے لگا جہاں وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

تنویر حیرت سے اچھل پڑا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ عمران کی اس حرکت کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے۔ وہ حیران تھا کہ عمران کو ان تمام باتوں کا کس طرح علم ہوا۔

فرش تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ چند سیکنڈ کے بعد فرش ساکت ہو گیا۔ عمران نے کرسی چھوڑ دی اور تنویر نے بھی اس کی تقلید کی۔

ان کے اُٹھتے ہی فرش نے کرسیوں سمیت بلند ہونا شروع کر دیا اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چھت کا وہ خلا برابر ہو گیا جو اُن کی کرسیوں والی لفٹ کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

"تمہیں ان سب چیزوں کے بارے میں کس طرح معلوم ہوا؟"

"تمہاری طرح ہر وقت عشق کی جوئیں میرے سر میں سرگشت نہیں کرتیں"

اس وقت وہ ایک ہال نما کمرے میں تھے۔ عمران ایک طرف بڑھا تنویر بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔ اس کمرے میں شراب کی پیٹیاں ہی پیٹیاں تھیں کونے میں ایک ڈرم رکھا ہوا تھا۔ عمران اس ڈرم کی طرف بڑھا اور اس کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگا۔

ڈرم بھی بالکل اسی طرح گھوم گیا جس طرح پہلے کمرے میں میز گھوم گئی تھی۔ ڈرم کے گھومتے ہی کمرے کے ایک رُخ دیوار میں شگاف سا پڑتا دکھائی دیا جو کھلتے کھلتے ایک دروازہ بن گیا۔

"آؤ" عمران نے آہستہ سے کہا اور دروازے میں

داخل ہو گیا تنویر بھی اس کے پیچھے تھا۔ اب وہ دونوں ایک تاریک راہداری میں تھے ایک لمبی راہداری جس کی چوڑائی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ بس ایک آدمی بآسانی اس میں سے گزر سکتا تھا۔ عمران تیزی سے آگے بڑھا۔ تنویر اس کے تعاقب میں چلتا رہا۔ عمران نے راہداری میں گھستے ہی روشنی کر دی تھی۔

روشنی ہوتے ہی اس کے عقب میں دروازے کا شگاف بند ہو گیا تنویر کا دل بڑی طرح دھڑک رہا تھا وہ اس وقت ایک عجیب اور پُراسرار عمارت کے تہ خانے میں تھے۔ آگے کیا حالات ہوں گے، اس کی انھیں قطعاً خبر نہیں تھی۔

راہداری کے اختتام پر دونوں رُک گئے۔ دفعتاً آگ کا شرارہ سا لپکا اور تنویر پیچھے ہی رک گیا۔

"ہُو از دیئر؟" ایک کھُلی سی آواز سنائی دی۔

"دی فلیم....!" عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

فوراً ہی ایک دروازہ نمودار ہوا۔ اور تنویر ایک طویل سانس لے کر عمران کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اب انھیں کسی کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اور میز پر دھپ دھپ ہاتھ مارنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

تنویر سمجھ گیا کہ وہ اس وقت کسی خفیہ جوئے خانے میں ہیں جہاں کچھ لوگ جوا کھیل رہے ہیں۔ میزوں پر ہاتھ مارنے کی آوازیں بھی غالباً وہیں سے آ رہی تھیں۔

وہ اس وقت جس راہداری میں چل رہے تھے، اس میں تقریباً دو سو قدم آگے بڑھنے کے بعد انھیں ایک دروازہ دکھائی دیا۔

عمران نے کچھ سوچ کر دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی ایک چھوٹی سی کھڑکی نمودار ہوئی۔ عین اسی وقت عمران نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور جیسے ہی اس کھڑکی سے کسی شخص نے جھانکنے کی کوشش کی عمران نے تنویر کو دیوار کی طرف دھکا دیا اور فائر کر دیا۔

ایک چیخ سنائی دی اور وہ شخص الٹ گیا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور فائر بھی ہوا۔ یہ فائر اس سوراخ سے ہوا تھا جو کھڑکی سے ڈیڑھ فٹ نیچے دکھائی دے رہا تھا وہاں سے رائفل کی نال جھانک رہی تھی۔

عمران نے پوری قوت سے دروازے پر ٹھوکر ماری اور اندر گھس گیا۔

تنویر نے فوراً ہی ریوالور نکال لیا اور اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا اس نے اندر گھستے ہی سب کو کور کر لیا۔

"کوئی حرکت نہ کرے۔" تنویر غرایا۔" ورنہ سب کو بھون ڈالوں گا۔"

"میں تائید کرتا ہوں حضرات۔ یہ شخص ذات کا بھٹیارہ ہے۔" عمران نے ہانک لگائی اور اس کے ساتھ ہی فائر جھونک مارا۔ ایک شخص کا ہاتھ جیب کی طرف رینگ رہا تھا گولی اس کے ہاتھ پر پڑی اور وہ چیخ کر کھڑا ہو گیا۔

"شاید آپ یہ بھول گئے تھے حضرت کہ میں بھی اس بھٹیارے کا ساتھی ہوں۔" عمران نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔" اگر آپ لوگ برا نہ مانیں تو ہاتھ اٹھا لیں ورنہ سب کو مرغا بنا دیا جائے گا۔"

"تم لوگ کون ہو۔ اور کیا چاہتے ہو؟" ایک نے غرا کر پوچھا۔

"ہم پردیسی ہیں بھائی اور تمھیں لوٹنا چاہتے ہیں۔"

.... عمران کا لہجہ اس قدر مضحکہ خیز تھا کہ کئی آدمی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اسی ہنسی مذاق میں ایک کا ہاتھ دوبارہ جیب کی طرف رینگ گیا لیکن تنویر کی نگاہ پڑ گئی۔ اس نے فوراً ہی فائر کر دیا گولی اس شخص کے سینے پر پڑی۔ دھماکے کی آواز کے فوراً بعد اس کی آخری چیخ سنائی دی اور خون کا فوارہ اس کے سینے سے ابل پڑا۔

"چلو جو کچھ تم لوگوں کے پاس ہے ہمارے حوالے کر دو۔" عمران نے غرا کر کہا۔" اور کہاں ہے وہ جیکر کا بچہ بلکہ گدھا... جس نے مجھے جوتے مار کر یہاں سے بھگایا تھا۔ آؤ جیکر... آؤ دیکھو آج میں سارا مال لوٹ کر لے جا رہا ہوں۔"

عمران چلاتا رہا۔ اور تنویر حیرت زدہ سا، نوٹ جمع کرتا رہا۔ وہ حیران تھا کہ کیا یہ شخص محض ان نوٹوں

کے حصول کے لیے آیا ہے یا اس کے پس منظر میں کچھ اور بھی ہے۔



عمران نے انتہائی سنجیدگی سے فیاض کی طرف دیکھا اور فیاض کا سیروں خون بڑھ گیا۔

"یقین مانو عمران۔ تم میرے عزیز ترین دوست ہو۔ میں تم پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہوں۔"

"جی ہاں۔ خوب ٹھونک بجا کر فخر کرتے ہو۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے سوپر۔ لیکن اس وقت میں ایک انتہائی ضروری کام سے تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"کہو۔ کہو میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

"تمھیں بغیر حاضر ہوتے بھی دیر نہیں لگتی پیارے۔ بہر طور وہ ذرا آنڈی کی فائل تو نکلوانا۔"

"خیریت۔ یہ آنڈی لوجی کہاں سے ٹپک پڑا۔" فیاض حیرت سے اچھل پڑا۔

"بتادوں گا بس تم سب سے پہلے فائل منگواؤ اور پھر چھریاں تیز۔ میرا مطلب ہے ہتھکڑیاں تیار کرنا شروع کر دو۔"

"گویا تم کسی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئے ہو۔" فیاض مسرور لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ اب واقعی بغیر بچوں کے گھر سونا سونا سا محسوس ہونے لگا ہے۔"

"بہت سور ہو۔" فیاض ہنسنے لگا۔

"اچھا یہ مجھے پہلے معلوم نہیں تھا۔" عمران حیرت سے بولا۔ "ویسے سنا ہے پیارے بیٹا باپ کی نسل سے ہوتا ہے۔ یہ خیال دل میں رکھ لیتا ہاں۔ میں اپنے متعلق ڈیڈی سے پوچھ بھی سکتا ہوں۔"

فیاض نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ہنستا رہا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ عمران کی بوٹیاں تک نوچنے پر اتر آتا لیکن اس وقت وہ مارے خوشی کے دیوانہ ہو رہا تھا۔ کیونکہ عمران ایک ایسے مجرم پر ہاتھ ڈالنے کے لیے پر تول رہا تھا، جس نے اس کے چھکے چھڑا رکھے تھے۔

اس نے کال بیل کا بٹن دبایا اور کاغذ پر آنڈی لوجی کی فائل کا کوڈ اور کچھ ہدایت لکھ کر اردلی کے حوالے کر دیا۔

عمران نے اخبار اٹھا کر سامنے رکھ لیا۔ اخبار پڑھتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ دراز قامت عورت کے بارے میں عجیب و غریب خیال آرائیاں کی گئی تھیں۔ فیاض کو مرد آہن کا خطاب دے کر اخبارات نے محیّر العقول عورت کو ختم کرنے کے کارنامے پر خوب خوب داد دی تھی۔

"کیوں سوپر۔ یہ مرد آہن کیا لوہار کو کہتے ہیں؟"

"نہیں تو۔" فیاض چونک کر بولا۔ اور جیسے ہی اس کی نگاہ اخبار کی طرف اٹھی اس کے ہونٹوں پر جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے کچھ دیر تو خفت مٹانے کے لیے میز کی چیزوں کی ترتیب بدلنے میں وقت صرف کیا پھر عمران کی طرف دیکھ کر نسبتاً سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "آخر تم نے یکایک آنڈی لوجی کا سراغ کس طرح لگا لیا؟"

"تم تو جانتے ہی ہو سوپر۔ میں ماہر طلسمیات ہوں۔"

"ماہر طلسمیات... فیاض چونک کر بولا۔" یہ کون سا علم ہے پیارے۔"

"یہ طلسم ہوشربا کا علم ہے۔ اس علم کے ذریعہ آدمی طلسم کی ہوشربائی سے مسحور نہیں ہو پاتا۔ اس علم کے ماہر تارک اللغویات ہوتے ہیں۔ اور اپنی سیکرٹریوں کو مائیں بہنیں تصور کرتے ہیں!"

"کیا بک بک شروع کر دی تم نے۔" فیاض جھنجھلایا۔

"ابھی خود ہی تو دریافت کر رہے تھے کہ وہ علم کون سا ہوتا ہے تفصیلات بتائیں تو برا مان گئے... او جی برا مان گئے۔ آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے۔ جوتا جو اُن کو سنگھایا تو برا مان گئے آہے وا... برا مان گئے...۔" اس نے میز پر طبلہ بجا بجا کر گانا شروع کر دیا۔ آواز حد درجہ بھونڈی اور کافی بلند تھی۔

فیاض ہنسنے لگا۔ پھر یکایک گھبرا کر بولا۔ "یار آہستہ کہیں رحمان صاحب کے کانوں تک آواز نہ جا پہنچے!"

"پہنچ جانے دو یار۔ انھیں کم از کم یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ کنوارپن کے جراثیم جھاڑنے کے لیے میں داڑھی رکھ کر مولویوں میں شریک ہونے والا ہوں۔"

عمران خاموش ہو گیا کیونکہ عین اسی لمحے اردلی فائل لے

کر آ گیا تھا۔

"ارے عمران اس لاش کے بارے میں کیا ہوا؟"

"کون سی لاش؟" عمران گھبرا کر کرسی سے اچھل پڑا۔

"وہی سر رحمان والی۔ میرا مطلب ہے اس لاش کو غائب کر کے جو تم نے اپنا آدمی لاش گھران کے بھیس میں پہنچایا تھا۔"

"اوہ... وہ..." عمران بڑبڑا کر رہ گیا۔

"ہاں ہاں۔ ویسے ترکیب بڑی شاندار تھی پیارے مانتا ہوں استاد تم نے خوب چکر دیا۔ لیکن یار سر رحمان شاید اس معاملے میں بے گناہ ہی ہیں۔ انھیں محض بے ہوش کر دیا گیا تھا لیکن... یہ بے ہوشی بھی عجیب تھی کہ حرکتِ قلب ہی بند ہو گئی۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہے؟"

"بالکل ممکن ہے۔ بتاؤ۔ تمھاری بیوی کو تم پر اعتماد ہے نا؟"

"ہاں۔ بالکل ہے۔" فیاض سینہ ٹھونک کر بولا۔

"تو پھر جس طرح اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا ممکن ہے، یہ بات بھی ممکنات میں شامل ہے آخر گھر کی بیوی کو چھوڑ کر سیکرٹریوں سے عشق کرنا کوئی معمولی بات تو ہے نہیں۔ بڑے ہی دل گردے کا کام ہے۔"

"یہ تو مانتے ہو نا کہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔" فیاض مسکرا کر بولا۔

"اور نہیں تو کیا۔ اس لحاظ سے ڈیڈی انتہائی کمزور دل واقع ہوئے ہیں۔ وہ لیڈی سیکرٹری سرے سے پالتے ہی نہیں ہیں۔ اور یہ فن انھی سے مجھے ورثے میں ملا ہے۔ بتاؤ۔ میں تو خوف کے مارے بھینس تک نہیں پالتا کہ وہ پاجامہ نہیں پہن سکتی۔"

"معلوم نہیں کیا بک رہے ہو۔" فیاض پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگا۔

"یہ حقیقت ہے سوپر... آزادی بڑی چیز ہے۔ ہمارے ہاں سب کچھ درمیان میں اٹکا ہوا ہے۔ نہ پردے میں نہ ظاہر۔ یعنی صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ بس اسی وجہ سے فحاشی زیادہ ہے۔ بتاؤ تم نے کبھی دیکھا ہے کہ کسی بیل نے پڑوس کی کسی بکری یا بھینس گائے کو ورغلانے کی کوشش کی ہو یا اُسے اغوا کر کے قطب شمالی لے گیا ہو۔ ایک بھی مثال بتا دو۔"

"کیا بے سرو پا باتیں لے بیٹھے۔ فائل دیکھو میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں، ڈمی لاش والے شخص نے کوئی رپورٹ دی کہ اس سے کیا معلوم کیا جا رہا ہے۔ کہیں اس کی زندگی خطرے میں تو نہیں؟"

"نہیں یار۔ وہ بھی اپنی طرح کنوارا ہے۔ بڑا ہی سخت جان۔ پچھلے سال کہہ رہا تھا کہ اگر کہیں سے آرڈر مل جائے تو کتوں کی لنگوٹیاں سپلائی کرنا شروع کر دوں۔ سنا ہے تمھارے محکمے میں اس کی بڑی ڈیمانڈ ہے۔"

فیاض نے کوئی جواب نہیں دیا۔

عمران کندھے اچکا کر فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آنڈی لوجی کی فائل کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے دوسری فائل اٹھالی۔ اس فائل میں تمام مشہور و معروف ملکی و غیر ملکی جرائم پیشہ لوگوں کی تصاویر اور مختصر حالاتِ زندگی بھی لکھے ہوئے تھے۔ سر رحمان کی لاش کے اغوا کے بعد وہ ایک نئے نکتے پر سوچنے لگا تھا۔ جیگر کے شراب خانے میں لوٹ کھسوٹ کا کوئی واضح مقصد نہیں تھا۔ بس موج تھی قلندر کی۔ اس نے بحیثیت ایکسٹو تنویر کو حکم دیا کہ عمران کے ساتھ جیگر کے شراب خانے میں پہنچ جائے اور بس۔

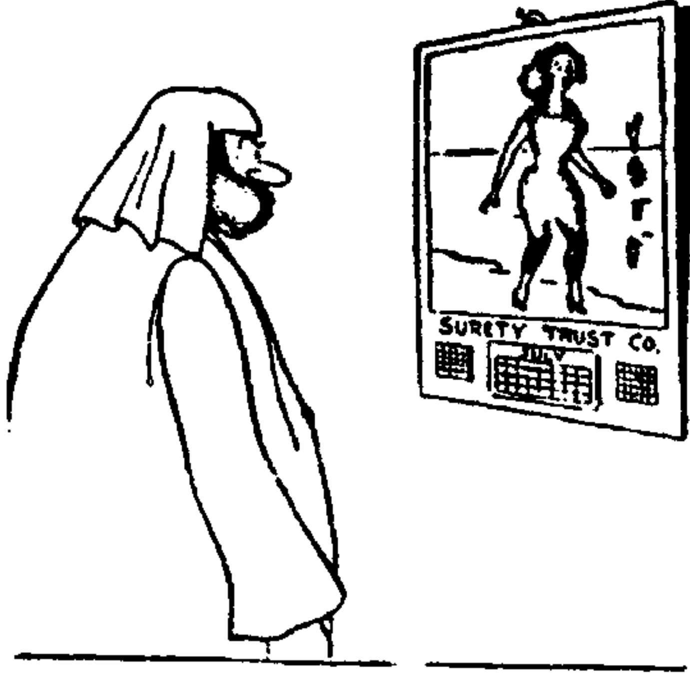
اور یہ تھی بھی حقیقت۔ اس نے قمار خانے سے صرف نوٹ ہی لوٹے تھے اس کے بعد وہ کسی طرف توجہ دیئے بغیر ہی واپس آ گئے تھے۔ اگرچہ اس وقت میدان سامنے ہی تھا۔ وہ بہ آسانی نمٹ لیتے لیکن نہ جانے کیوں اس نے صرف رقم پر ہی ہاتھ صاف کرنے پر اکتفا کیا۔

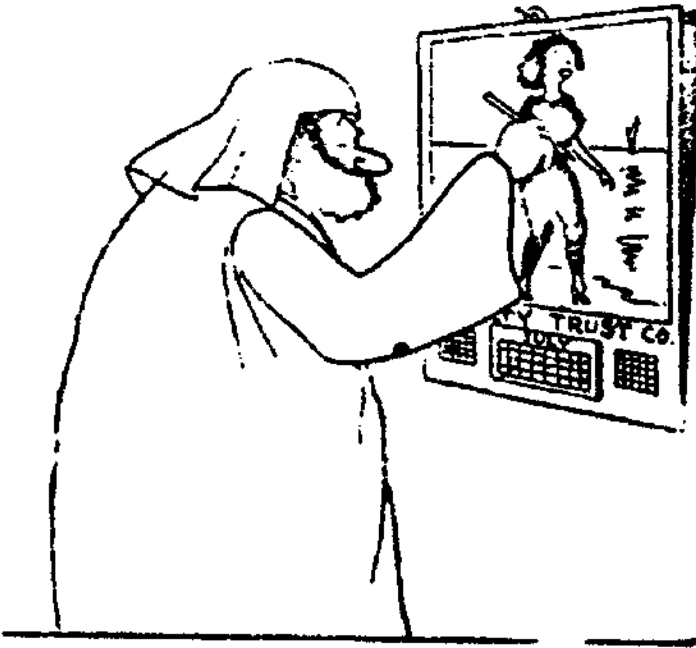
ادھر اس کا ذہن بار بار اس ایجاد پر غور کر رہا تھا جو سر رحمان پیش کرنے والے تھے لیکن ناگہانی موت کے باعث پیش نہ کر سکے۔

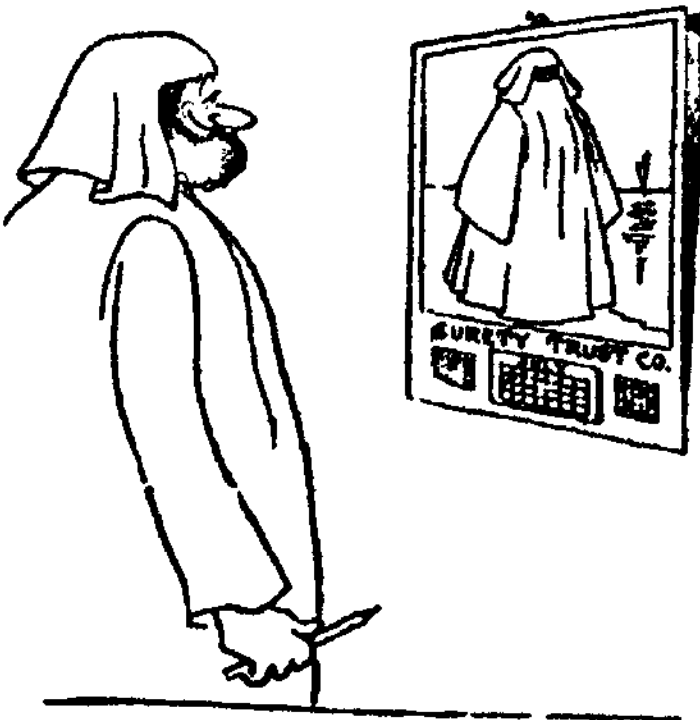
اچانک اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ فیاض جو بغور اس کے خدوخال کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا، عمران کو مسکراتے دیکھ کر بے چین ہو گیا۔

"کیوں عمران۔ کس نتیجے پر پہنچے؟" اس نے بے تابی

سے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔
"بس اپنی تو عاقبت ہی خراب سمجھو پیارے۔"
"کیوں۔ کیا بات ہے؟"
"ارے یار۔۔ ابھی ابھی جو میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرا دل اس بانس کی بیٹی کے لیے بڑی طرح دھڑک رہا ہے۔"
"کیا مطلب؟" فیاض حیرت سے بولا۔
"یار مطلب ہی تو سمجھ میں نہیں آرہا۔ بس یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دل میں کچھ یوں یوں سا ہو رہا ہے۔" عمران نے دل کے پھیلنے اور سکڑنے کا عملی مظاہرہ انگلیوں کو ملا کر اور بکھیرتے ہوئے کیا۔
فیاض ہنسنے لگا۔ "تم تو اس کے گھٹنوں سے بھی چھوٹے پڑتے۔ ایسی دراز قامت محبوبہ کا تصور ہی جان لیوا ہے۔ کیوں۔ ذرا سوچو کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔"
"دل نہ توڑو یار۔" عمران کراہ کر بولا۔ "میں اس عورت کے لیے بے چین ہوں۔ ہائے۔ کس محبت سے مجھے اٹھایا تھا۔۔"
"اور کس محبت سے زمین پر دے مارا تھا۔" فیاض نے گرہ لگائی۔
"ابے تم تو جلتے ہو۔ قدو قامت کے لحاظ سے ذوق کا معیار بھی بلند ہوتا ہے یہ پیار کی ادا ہر کسی کو نہیں بھاتی اور نہ ہر کسی کے نصیب میں ہوتی ہے۔" عمران نے جھلا کر کہا اور فائل کی ورق گردانی کرنے لگا۔
دفعتاً اس کی نگاہ ایک ایسی تصویر پر پڑی جسے دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔ فیاض کے چہرے پر دبے دبے جوش کے آثار پیدا ہوگئے۔ وہ پر جوش انداز میں ہاتھ ملتا ہوا میز پر آگے کی طرف جھک کر فائل دیکھنے لگا۔
"کیا بات ہے۔ تم کیوں چونکے ہو عمران؟"
"بتاؤ یہ تصویر کس کی ہے۔" عمران نے فائل اس کی طرف بڑھا دی۔
فیاض غور سے فائل کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر وہ فائل پر نگاہیں جمائے رہا پھر عمران کی طرف دیکھتا ہوا انگلیوں سے پیشانی مسلنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا، جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ کچھ دیر بعد بے بسی سے بولا۔ "کچھ مانوس سی صورت ہے۔ نہ جانے کون ہے؟"
"یاد کرنے کی کوشش کرو۔"
"یار اس میں پوری تفصیل موجود ہے خود ہی دیکھ لو۔"
"نہیں پیارے۔۔۔ یہ تفصیلات تو دی ہی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھو۔ اچھا یہ بتاؤ اگر میں اس تصویر کا چہرہ چھپا دوں تو صرف آنکھیں دیکھ کر تم بتا سکو گے کہ کس کی ہیں؟" عمران نے کاغذ رکھ کر چہرے کے دیگر نقوش چھپا دیے۔ فیاض نے محض آنکھوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تو وہ اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اچھل پڑا۔ اس کا چہرہ مارے جوش کے سرخ ہوگیا۔
"ارے یہ تو سر رحمان کی آنکھیں ہیں۔"
"اب سمجھے۔ میں کہتا ہوں کسی بوڑھی گدھی سے دو چار دولتیاں کھا لو تاکہ ہاضمہ بھی درست ہو جائے اور عقل بھی۔ سنا ہے بڑی اکسیر ہوتی ہیں یہ دولتیاں میرا مطلب ہے دیوانہ۔۔۔ آدمی کو بناتی ہیں روٹیاں۔۔۔ یہ غزل بھی خوب کہی ہے کنفیوشس نے۔ اس وقت ہم اکٹھے ہی رعایتی فیل ہوئے تھے۔ کلاس کا کوئی دوسرا لڑکا بڑی کوشش کے باوجود فیل ہونے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ صرف ہم دونوں کو ہی یہ اعزاز حاصل تھا ایک مرتبہ تو بڑا مزہ آیا۔۔۔"
"لاحول ولا تم کہاں کی راگنی چھیڑ بیٹھے۔ یہ کیا چکر ہے۔ تصویر تو ایک غیر ملکی پروفیسر رابرٹ ایس سراڈ ڈلی کی ہے۔"
"ہاں پیارے۔ اور یہ شخص خطرناک قیدی کے نام سے مشہور ہے۔"
فیاض نے فائل لے لی اور اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ رابرٹ کیلیفورنیا کا باشندہ تھا۔ وہ ساڑھے چھ فٹ قد کا درمیانے جسم والا ایک عجیب و غریب صورت کا شخص تھا اس کی آنکھیں نیلی نیلی اور عینک کے شیشوں میں چمکتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔
وہ کئی زبانوں کا ماہر تھا۔ دس سال قبل اس نے انسانی جسم پر تجربات کرنے کے لیے کئی لاشیں قبرستانوں سے نکلوائی تھیں۔ اس پر دنیا بھر میں کہرام مچ گیا اور اس کی گرفتاری کے لیے ہنگامے ہونے لگے۔







مجبوراً حکومت نے اسے نظر بند کر دیا۔ لیکن وہ شخص کچھ اس قدر جنونی تھا کہ جیل میں بھی اپنی کارروائیوں سے باز نہیں آیا۔ اسے نظر بند تو کر دیا گیا تھا لیکن سائنسی ریسرچ پر کوئی پابندی نہیں عاید کی گئی تھی۔

ایک روز جیل کا ایک قیدی مفرور خیال کیا گیا۔ پولیس نے اس کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دیے لیکن اس کا سراغ ملا تو کہاں؟ اس کی لاش رابرٹ کی کوٹھری میں پڑی تھی اس نے باقاعدہ لاش کا پوسٹ مارٹم کر دیا تھا۔

اس وقت وہ الاسکا کی جیل میں تھا۔ عوام کے بے پناہ شور کی وجہ سے اسے قیدِ تنہائی دے دی گئی لیکن اُسے کچھ فرق نہ پڑا۔ وہ اپنے ہی حال میں مست رہنے والا آدمی تھا۔ اس نے تنہائی سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا اور تجربات جاری رکھے۔ اس نے حکومت سے لاشیں مہیا کرنے کی بارہا درخواست کی لیکن اسے سختی سے رد کر دیا جاتا۔ اور آخر اس نے ایک دن جیل کے وارڈن پر ہی ہاتھ ڈال دیا۔ اس نے ایک حیرت انگیز تجربہ کیا اور جیل کے وارڈن کو دیو قامت بنا کر باہر بھیج دیا لیکن وارڈن چند ہی لمحوں بعد چیتھڑوں میں تبدیل ہو گیا۔

اسے الاسکا کی جیل میں ہی لیونورتھ کی تاریخ کا سب سے قابلِ نفرت شخص قرار دے دیا گیا۔ آخر اُسے پھانسی کی سزا ہو گئی۔ جس وقت اسے پھانسی کے لیے قید خانے کے احاطے کی طرف لے جایا جا رہا تھا اس وقت اس کی ماں واشنگٹن میں سرکاری دروازوں پر دستک دے رہی تھی۔ اس وقت امریکہ کا صدر وڈرو ولسن تھا اس کی ماں صدرِ مملکت سے بھی ملی۔ اس نے رابرٹ کی سزائے موت عمر قید میں بدل دی۔ لیکن جیل کی انتظامیہ اس سے اس قدر بیزار ہو چکی تھی کہ انھوں نے اسے سان فرانسکو کی جیل القطراز بھیجنے کی سفارش کی، جسے فوراً منظور کر لیا گیا۔ یہ جیل باغیوں اور سماج دشمن عناصر کیلئے تھی اس وقت امریکہ کے نئے صدر روزویلٹ نے نئی نئی حکومت سنبھالی تھی۔ اس کے سامنے درخواست پہنچی تو اس نے رابرٹ کو واپس الاسکا کی جیل میں

بھجوانے کے احکامات جاری کر دیے۔ لیکن رابرٹ کو القطراظ میں کچھ ایسا جکڑا گیا تھا کہ اس کی فوری واپسی ممکن نہ ہو سکی۔ اس دوران ایک موقعے سے فائدہ اٹھا کر وہ وہاں سے فرار ہو گیا لیکن اس کے فرار کی اطلاع جیل والوں کو دو سال بعد ہوئی۔

ہوا یوں کہ اس نے ایک قیدی پر اپنا میک اپ کیا اور اپنی مخصوص شیطانی دواؤں کے سہارے اسے بالکل ہی اپنا ہمشکل بنا دیا۔ اور اس کے کان میں نجانے کیا پھونک دیا کہ ہمشکل قیدی بیمار پڑ گیا اور دو سال بعد وہ اس طویل بیماری سے مر گیا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے اعلان کیا کہ وہ رابرٹ نہیں کوئی اور ہے۔

پولیس حرکت میں آئی لیکن اسے تلاش نہ کر سکی اور اس کے بعد سے القطراظ کا قیدی اب تک مفرور ہے۔ دنیا بھر کے ممالک کو اس کی تفصیلات ارسال کر دی گئیں۔ لیکن وہ ایسا غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

"بڑا ہی عجیب و غریب مجرم تھا عمران!" فیاض طویل سانس لے کر بولا۔

"عمران مجرم تھا!" عمران چونک کر بولا۔

"ارے نہیں یار، قطراظ کے قیدی کی بات کر رہا ہوں۔"

"بس تو اب چلوں گا۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

"تو پھر کب تک تیار رہوں۔" فیاض نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج کل میں۔ لیکن دیکھ لینا معاملہ ذرا زوردار ہے۔ انعام بھی ویسا ہی زوردار ہونا چاہیے۔ کیا خیال ہے؟"

"ارے سبھی کچھ تمھارا ہے۔" فیاض نے موم ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں جھوٹ بولتے ہو یار۔ حالانکہ میں تمھاری بیگم کو اپنی خالص بھابی تصور کرتا ہوں۔ لیکن تم ہو کہ شکوک میں مبتلا رہتے ہو۔"

"میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا۔" فیاض غرایا۔

"مت کرو۔ خدا حافظ... مذاق تو صاحبِ ذوق سمجھ سکتے ہیں۔ تم جیسے گدھے نہیں۔ خدا حافظ۔"

فیاض کچھ دیر تو دروازے کی طرف گھورتا رہا پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے سگریٹ سلگایا اور دھیرے دھیرے گنگنانے لگا انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اس وقت بڑے ہی خوشگوار موڈ میں ہے۔



سیاہ پوش کے ہاتھ میں ایک ہنٹر تھا۔ اس نے پوری قوت سے ہنٹر کو گھمایا۔ ہنٹر گھومنے سے کمرے میں کچھ ایسی آواز ابھری جیسے کوئی اژدھا پھنکار رہا ہو۔ "بولو... بتاؤ تم کون ہو اور کس کے لیے کام کرتے ہو؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" حاتم علی نے چیخ کر کہا۔

"بہت خوب۔ کل رات جن دو آدمیوں نے قمار خانے کو لوٹا ہے اور شراب خانے میں توڑ پھوڑ کی ہے انھیں بھی تم نہیں جانتے ہو گے؟"

"میں اگر بار میں موجود ہوتا تو کوئی ایسی جرأت نہ کرتا۔" حاتم نے کراہ کر کہا۔ "تم نے جیگر کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے، وہ تنظیم کا سب سے زیادہ وفادار آدمی تھا۔"

"میں تم سے وفاداروں کی فہرست نہیں سنوانا چاہتا۔ جو پوچھتا ہوں وہ بتاؤ۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ہوں۔ تو تم یوں نہیں مانو گے۔ تم نے میک اپ کیوں کیا تھا؟"

"مجھے گروہ پر اعتماد نہیں تھا ورنہ میں نے گروہ میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"لیکن تم نے جیگر کو اس حد تک متاثر ضرور کر دیا تھا کہ وہ تمھیں گروہ میں شامل کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔"

"اس میں بھی میرا کوئی قصور نہیں۔ میک اپ کے لیے میں جواز پیش کر چکا ہوں کہ میں گروہ پر اعتماد نہیں کر رہا تھا۔"

"لیکن اس ٹیلیفون کال کو کس خانے میں فٹ کرو گے جس کا لفظ لفظ ہم نے اس ایبزار بنگ کوائین کے ذریعے سن لیا تھا۔"

"میں تو اس کے لیے لاعلمی کا ہی اظہار کروں گا۔"

"بہت خوب۔ تو تم یہ ظاہر نہیں کرو گے کہ تم کون ہو؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں زیادہ مغز ماری کا عادی نہیں ہوں۔"

"حالانکہ نام کے تم حاتم علی ہو۔" سیاہ پوش نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

حاتم اس حوالے پر بُری طرح چونک پڑا پھر مسکرا دیا۔ "شاید تم اسی سکے والی گفتگو کا حوالہ دینا چاہتے ہو۔"

"سُنو نوجوان۔ ایک مرتبہ تو تم آدم خور چیونٹیوں سے بچ نکلے ہو۔ اس مرتبہ تمھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ تمھارا پہلا اور آخری ہمدرد موت کے منہ میں پہنچ چکا ہے۔" سیاہ پوش نے زہرخند کیا۔

حاتم علی خاموشی سے سیاہ پوش کو گھورتا رہا۔ اس وقت وہ اسی کمرے میں تھا جہاں اس سے پیشتر وہ پُراسرار باس سے گفتگو کرتا رہا تھا۔ اس کے گرد چار آدمی تھے جن کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں تھیں۔ ایک آدمی البتہ ایسا تھا جو حاتم کے لیے اجنبی تھا۔ وہ میک اپ میں نہیں تھا لیکن اس کی نگاہیں بار بار حاتم کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ ایک طرف کرسی پر بیٹھا اُسے گھور رہا تھا۔ اس کی غیر متحرک آنکھوں میں سانپ کی سی چمک تھی۔ اس نے اب تک ایک مرتبہ بھی بولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حاتم نے محسوس کر لیا کہ سیاہ پوش باس کبھی کبھی اس کی طرف دیکھنے لگتا تھا اور پھر ان کے درمیان آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوتے تھے اس کے بعد سیاہ پوش دوبارہ آمادۂ گفتگو ہو جاتا۔

حاتم کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے کپڑے چیتھڑے ہو کر اس کے جسم پر جھول رہے تھے جسم کے عریاں حصوں پر نیلے نشانات یہ ظاہر کر رہے تھے کہ اس پر بے تحاشہ تشدد کیا گیا ہے۔ اس کے چہرہ پر کرب کی علامتیں ضرور تھیں لیکن آنکھوں سے بے پناہ قوتِ ارادی جھلک رہی تھی۔ وہ مردانہ وار ان صعوبتوں کو برداشت کرتا رہا تھا اور آنکھوں کی چمک بتاتی تھی کہ وہ مزید ظلم و تشدد برداشت کر سکتا ہے۔

پُراسرار سیاہ پوش اپنی پشت پر ہاتھ باندھے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہی پُراسرار سکہ دبا ہوا تھا جس کے ذریعے حاتم کا پول کھل گیا تھا اور جس میں اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ ریکارڈ تھا۔ کچھ دیر بعد وہ رک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ دروازے میں وہی خوبصورت کاؤنٹر گرل کھڑی تھی جس کا نام روزی تھا اور جس سے حاتم علی کچھ دیر پہلے مل چکا تھا۔

"روزی۔" پُراسرار باس غرایا۔

"یس باس۔" روزی کے لہجے میں کپکپاہٹ بڑی واضح تھی۔

"تم نے اسے ٹائلٹ کی طرف جیگر کے تعاقب میں جاتے دیکھا تھا۔"

"یس باس۔ اس نے ٹائلٹ جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"حالانکہ تمھیں اس وقت اسے روکنا چاہیئے تھا۔ تم جانتی تھیں کہ ٹائلٹ کے آپریشن روم اس وقت کام کر رہے تھے۔" باس غرایا۔

"میں معافی چاہتی ہوں باس۔ میں نے بے دھیانی میں خیال ہی نہیں کیا۔"

"شٹ اپ۔" باس نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے ایک طمانچہ روزی کے منہ پر مارا۔ طمانچہ اس قدر سخت تھا کہ کمرے میں چٹاخ کی آواز اُبھری اور اس کے ساتھ ہی روزی کی چیخ بھی۔ وہ فرش پر جا گری تھی۔ جب وہ اُٹھی تو اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔

"میں معافی چاہتی ہوں باس۔" وہ گڑگڑائی۔

"تم جانتی ہو معافی نام کا کوئی لفظ میری لغت میں نہیں ہے۔"

"مجھے... معاف کر دیں باس۔ وہ ایک اضطراری فعل تھا۔" روزی گڑگڑاتی ہوئی فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور سسکیاں لینے لگی۔

"جاؤ۔ نکل جاؤ یہاں سے۔" باس پوری قوت سے دھاڑا۔

روزی تیزی سے باہر نکل گئی۔ سیاہ پوش نے کوڑا لہرایا اور پوری قوت سے حاتم کی طرف گھما دیا۔ شائیں کی آواز کے ساتھ ہی حاتم کی چیخ بھی سُنائی دی۔

کوڑے سے اس کے بائیں بازو پر گہری لکیر ڈال دی تھی۔

سیاہ پوش نے ایک ٹامی گن بردار کی طرف کوڑا پھینک دیا۔ "اسے راہ پر لاؤ۔ اس قدر مارو کہ یہ سب کچھ اگل دے۔ یہاں تک مارتے رہو کہ اس کے جسم کے چیتھڑے اُڑ جائیں۔ میں اس کے مُنہ سے سچ سُننا چاہتا ہوں۔ خواہ اس کی بوٹی بوٹی ہی کیوں نہ الگ ہو جائے۔"

شائیں... شائیں... شائیں... حاتم کے جسم پر کوڑے برسنے لگے لیکن اس کے حلق سے سوائے کراہوں کے کچھ نہیں نکل رہا تھا۔ کوڑے مارنے والا جلد ہی ہانپ گیا۔

حاتم کے جسم کا ایک ایک حصّہ جل رہا تھا۔ چابک کی ایک ایک ضرب گویا اس کے جسم کو چیر رہی تھی۔ خراشیں ہر مرتبہ بڑھ کر مُنہ کھول رہی تھیں اور ان کی جگہ گہرے زخم دکھائی دینے لگے تھے۔

"رک جاؤ۔" باس غرّایا۔

کوڑے مارنے والے کا ہاتھ رک گیا۔ حاتم بدستور کراہ رہا تھا۔

"اس کے زخموں پر مرچیں چھڑک دو۔"

حاتم نے ایک طویل سانس لے کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

کوڑے مارنے والا مرچیں لے آیا۔ جیسے ہی وہ مرچیں حاتم کے زخموں پر چھڑکنے لگا کمرے میں بیٹھا ہُوا وہ پُراسرار شخص بول اُٹھا، جو بڑی دیر سے خاموش بیٹھا تھا۔ "رک جاؤ۔ اس کی ضرورت نہیں۔"

"مرچیں چھڑک دو۔" باس غرّایا۔

"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" ٹامی گن سنبھالے ہوئے ایک شخص پر چیخ اُٹھا۔

"وہاٹ۔" سیاہ پوش اچھل پڑا۔ "کیا تم بھی غدّاری پر آمادہ ہو ہاشم۔"

"جیگر میرا دوست تھا باس اور یہ جیگر کو بیٹے کی طرح پیارا۔ میں اب اس پر مزید ستم برداشت نہیں کر سکتا۔"

"شٹ اپ۔" باس نے دھاڑتے ہوئے پاؤں پٹخا۔

ہاشم نے ٹامی گن کا دہانہ کھول دیا۔ سیاہ پوش اور دوسرے تمام آدمی پھرتی سے الگ ہو گئے ورنہ اُن کے جسم چھلنی ہو جاتے۔

"اس کے ہاتھ کھول دو جیکی۔" ٹامی گن والے نے اس شخص کو حکم دیا۔ جو مرچیں لیے حاتم کے قریب کھڑا تھا۔

جیکی مرچیں پھینک کر حاتم کی طرف بڑھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ حاتم کی رسّیاں کھول کر الگ کھڑا ہو گیا۔ حاتم لڑکھڑاتا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس کا جسم زخموں سے چُور تھا اور مارے نقاہت کے اس میں جان تک نہ رہی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو نجانے کب کا بے ہوش ہو چکا ہوتا۔

اس دوران باس کا پُراسرار ساتھی، ہاشم پر پل پڑا۔ ہاشم، جیکی اور حاتم کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ بس یہیں اس سے غلطی ہو گئی۔

"آنڈی۔" سیاہ پوش غرّایا۔ "رک جاؤ۔ اس کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں باس۔ اب تو اس کے مزاج ٹھکانے لگانے ہی پڑیں گے۔" آنڈی نے بے ڈھنگے پن سے قہقہہ لگایا۔ اس نے ہاشم پر حملہ کر کے ٹامی گن اس کے ہاتھ سے گرا دی تھی اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔

پُراسرار باس نے قہقہہ لگایا۔ اس کا قہقہہ بہت ہی بُلند اور بتدریج ہذیانی ہوتا چلا گیا۔ "آنڈی۔" سیاہ پوش غرّایا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ "رک جاؤ۔ میں ان غدّاروں کو اپنے ہاتھ سے گولی ماروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد ہی آنڈی نے ہاشم کو بے بس کر دیا۔ حاتم میں تو ذرا سا بھی دم نہیں تھا ایک ہی ہلّے میں وہ فرش پر آ رہا۔ ہاشم کو باندھ دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی حاتم کو بھی۔

پُراسرار باس غرّا رہا تھا۔ اس نے حاتم کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا اور پوری قوّت سے ایک ضرب اس کے پیٹ میں ماری۔ حاتم کراہ کر رہ گیا۔

"چلو اٹھو۔ بتاؤ تم کس کے لیے کام کرتے رہے ہو؟"

"سب بکواس ہے۔ کیوں انرجی برباد کرتے ہو؟" آنڈی نے سخت لہجہ میں کہا اور پُراسرار باس رک گیا۔

آنڈی کے سخت لہجے اور باس کی خاموشی کو محسوس کر کے کمرے میں موجود سبھی آدمی چونک پڑے۔ ظاہر ہے باس سے اس قسم کی گفتگو کرنے کی جرأت آج تک کسی نے نہیں کی تھی۔

"یہ سارا کھڑاگ اسی پُراسرار ایکسٹو کا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم لے اس کا سُراغ نہیں لگایا" آنڈی نے پُراسرار باس سے کہا۔

"باس" ہاشم نے حیرت سے کہا۔

آنڈی نے قہقہہ لگایا "باس میں ہوں ہاشم۔ یہ تو ڈمی ہے۔ میں نے تم سب کو دھوکا دیا۔ تم سب آج تک یہی خیال کرتے رہے کہ تمہارا باس کوئی پُراسرار سیاہ پوش ہے لیکن میں تم لوگوں کے ساتھ شامل رہ کر سب کام کرتا رہا۔ اب انھیں اپنے درشن کرادو رحمان" آنڈی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

حاتم چونک کر سیاہ پوش کی جانب دیکھنے لگا، جس نے اپنے چہرے سے نقاب نوچ کر پھینک دیا تھا اور نقاب کے عقب سے سر رحمان کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔۔۔ وہی سر رحمان جو ملک کا وفادار سائنسدان تھا اور جسے لوگ مُردہ تصوّر کرتے تھے۔

آنڈی لوچی نے سر رحمان کے ہاتھ سے ریوالور لیا اور فائرنگ شروع کر دی۔ اس نے حاتم اور سر رحمان کے علاوہ کمرے میں موجود سبھی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

✿

"چلو دوست اب تم بھی مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ" آنڈی نے حاتم کی طرف ریوالور کا رخ کر کے کہا "تم نے بڑے ہی خوبصورت دھوکے دیے ہیں لیکن افسوس، تمہارا ایک بھی وار کامیاب نہ ہو سکا"

"یہ ظلم ہے۔ میں تنظیم کا وفادار ہوں" حاتم غرّایا۔

"بہت خوب۔ تو تم تنظیم کے وفادار ہو" آنڈی نے مسکرا کر کہا۔ اس کا لہجہ سرد اور طنزیہ تھا "کیا تم کوئی ثبوت دے سکتے ہو؟"

"کیسا ثبوت؟"

"مثلاً یہ کہ تم اپنی جان قربان کر دو"

"اگر تم میری جان لینا چاہتے ہو تو بے شک مجھے

ایک سردار جی کو باؤلے کتے نے کاٹ لیا۔ انھیں فوراً اسپتال پہنچا دیا گیا۔ داخل کرنے کے بعد انھیں ٹیکے لگنے شروع ہوئے چند روز بعد ایک دوست عیادت کے لیے گیا تو اس نے پوچھا "کیوں بھئی! اب کیا حال ہے؟"

سردار جی بولے "حال تو ٹھیک ہے یار بس کبھی کبھی بھونکنے کو بہت جی چاہتا ہے"

مرسلہ: ایس بلقیس رضا۔ پنڈدادنخان

گولی مار دو۔ لیکن خُدا کے لیے مجھے یا جیگر کو غدّار کا لیبل لگا کر مخاطب نہ کرو۔ جیگر کی رُوح بے چین ہو گی۔ اس نے اپنے دوست کی خاطر اپنی جان قربان کر دی اور میں صرف تمہاری غلط فہمی کی وجہ سے مارا جاؤں گا" حاتم کے لہجے میں بے پناہ درد تھا۔۔۔ اس کا خیال تھا کہ آنڈی لوچی اس کی تقریر سے متاثر ہو گیا ہو گا لیکن وہ تو پتھر کا بُت ثابت ہُوا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں تمھیں ٹھکانے لگانے کے بعد زندگی میں جب بھی یاد کروں گا ایک وفادار دوست کی حیثیت سے یاد کروں گا" آنڈی نے غرّا کر جواب دیا اور ریوالور کا رُخ حاتم کی طرف کر دیا۔

"باس" سر رحمان نے پکارا۔

"کیا بات ہے رحمان؟"

"میں اسے اپنے ہاتھ سے گولی مارنا چاہتا ہُوں۔ اس کی وجہ سے میرے ذہن کو شکست کا احساس ہُوا۔ میں اس سے اپنی مرضی کی باتیں نہیں اگلوا سکا اس لیے میں اسے اپنے ہاتھوں ختم کروں گا"

"جیسے تمہاری مرضی" آنڈی نے مسکرا کر کہا اور ریوالور رحمان کی طرف پھینک دیا۔

رحمان نے ریوالور لے کر حاتم کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور اس پر جھک گیا "میں تمھیں صرف تین منٹ دیتا ہُوں دوست۔ سب کچھ سچ سچ بتا دو"

"بکواس مت کرو" حاتم نے رحمان کے مُنہ پر تُھوک دیا "غدّار۔۔۔ سائنسدان تم وہ دشمن کیڑے

ہو جو بظاہر دوستی کا روپ لیے سامنے رہتے ہو لیکن بباطن تمہاری حیثیت آستین کے سانپ جیسی ہے۔"

"آہم۔ میں تمہیں ایسی جگہ گولی ماروں گا کہ تم سسک سسک کر مرو گے۔ میں اب صرف تین تک گنتی گنوں گا۔ اس کے بعد تمہاری لاش پر آنسو بہانے والا بھی نہیں ملے گا۔ میری باتوں کا جواب دینے کیلئے تیار ہو جاؤ یا مرنے کے لیے۔ میں گنتی شروع کرتا ہوں۔ ایک... دو... تین۔" معاً اس نے ریوالور کا رخ آنڈی کی طرف اٹھا دیا۔

"گولی کیوں نہیں چلاتے۔" آنڈی غرایا۔

سر رحمان نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ ایک ایک ایسا کھنکتا ہوا قہقہہ جسے سن کر حاتم سکتے کے عالم میں رہ گیا اور آنڈی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

بدلی ہوئی آواز سن کر وہ بری طرح چونکا تھا۔

"کون... کون ہو تم؟"

"تمہاری موت آنڈی لوجی!" رحمان کی آواز سنائی دی۔ لیکن وہ آواز رحمان کی نہیں تھی بلکہ حاتم کے پراسرار چیف "ایکسٹو" کی تھی۔ وہ مارے خوشی کے کھل اٹھا۔

"آنڈی کی موت۔" وہ ہنسا۔ "آنڈی کو کوئی نہیں مار سکتا۔"

"یقیناً ایسا ہی ہے۔ جس چیز کا وجود ہی نہ ہو اس کی موت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" ایکسٹو نے زہر خند کیا۔

"لیکن رحمان... میں اس مذاق کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"رحمان۔" ایکسٹو نے قہقہہ لگایا۔ "وہ اس وقت سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر میں اقبال جرم کر رہا ہو گا۔ میں نے آج تک جو تمہیں ٹرخانے کی کوشش کی تھی، وہ اس وقت کے انتظار ہی کے لیے تھی۔"

"لیکن تم کون ہو؟" آنڈی غرایا۔

"ایکسٹو۔"

"اوہ... تم ایکسٹو ہو۔ ناممکن۔ اگر تم ایکسٹو ہی ہو تو کیا تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ سب کیسے ہوا؟" آنڈی نے سخت لہجے میں کہا۔ وہ بڑے ہی غیر محسوس انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ شاید وہ باتوں میں لگا کر ایکسٹو کے ہاتھ سے ریوالور نکالنے کے چکر میں تھا۔ وہ جیسے ہی ایکسٹو کے قریب پہنچا اس نے چھلانگ لگا دی۔ حاتم بری طرح مچلنے لگا۔ ایکسٹو کی موجودگی کے احساس نے اس کے جسم میں بجلیاں بھر دی تھیں۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ رسیاں تڑا کر آنڈی پر پل پڑے لیکن وہ کچھ اس طرح سے بندھا ہوا تھا کہ لاکھ کوشش کے باوجود ذرا بھی ڈھیلا نہ ہو سکا۔

ادھر ایکسٹو اور آنڈی ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے آنڈی گرانڈیل آدمی تھا لیکن اس کی پھرتی قابل داد تھی۔ ادھر ایکسٹو چھریرے جسم کا بالکل شرارہ نما آدمی تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر جھپٹتے اور پھر ایک دوسرے کا وار بچانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ایکسٹو پر تو گویا دیوانگی سوار تھی۔ وہ بار بار یوں جھپٹتا تھا جیسے بھوکا بھیڑیا شکار پر پل پڑا ہو۔ آنڈی بار بار اس کا وار بچاتا اور پھر اسے پیس دینے کی کوشش میں کوئی نہ کوئی وار کرتا لیکن ناکام رہتا۔

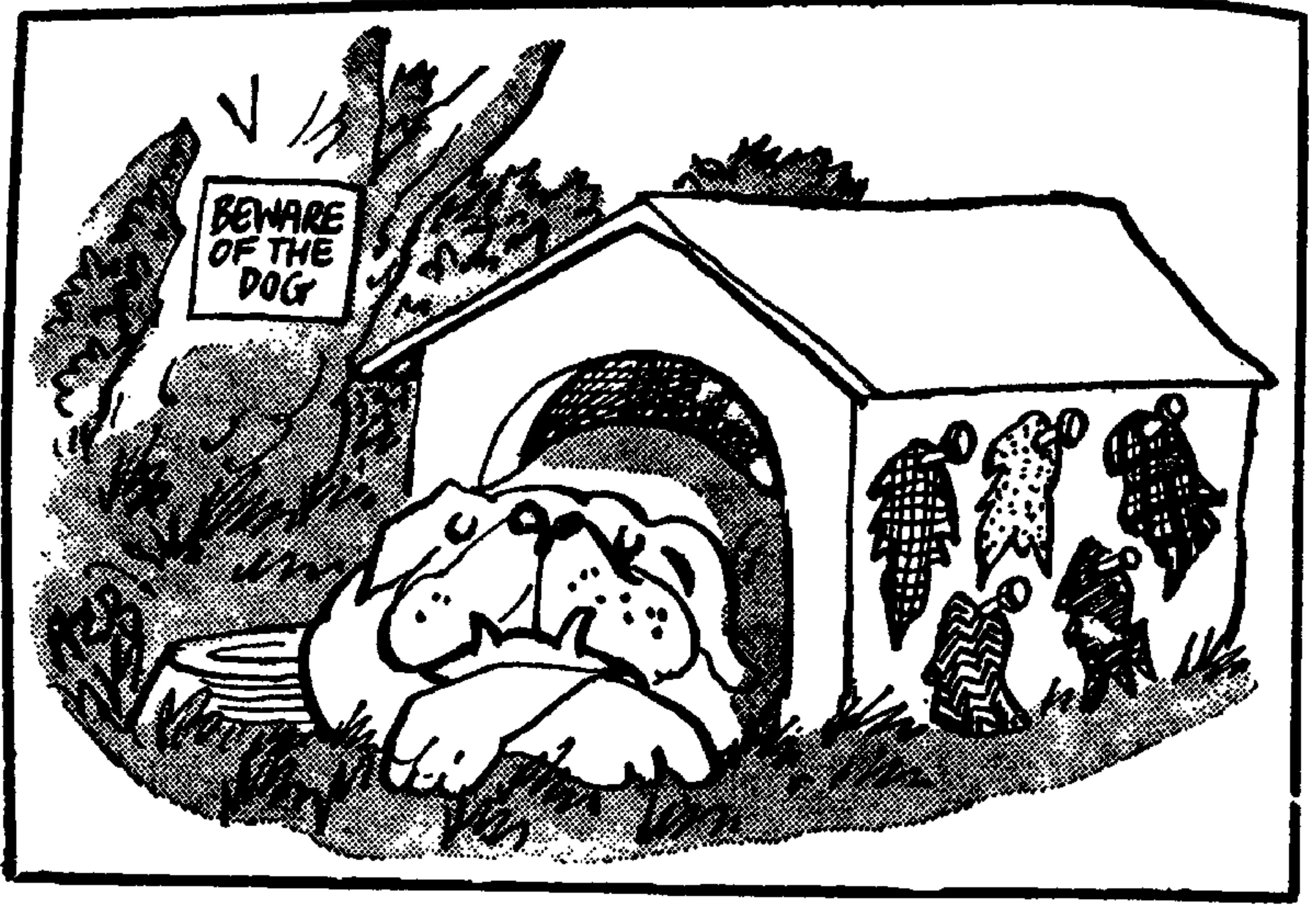
حاتم کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اس نے رسیوں کے بل کھولنے کی جدوجہد تیز کر دی۔

آخر ایکسٹو کا گھونسہ آنڈی کی ناک پر پڑا اور وہ ڈکراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ ساتھ ہی اس کے قدم لڑکھڑائے اور وہ فرش پر گر گیا۔ ایکسٹو چھلانگ لگا کر اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن ناپ لی اور پوری قوت سے اس کا ٹینٹوا دبانے لگا لیکن آنڈی کچھ اس قدر سخت جان تھا کہ وہ جلد ہی جھٹکا مار کر الگ ہو گیا۔ گردن چھوٹتے ہی وہ چکنی مچھلی کی طرح ایکسٹو کے نیچے سے پھسل کر نکل گیا۔

"آہم۔" ایکسٹو کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

آنڈی نے اس کی ٹانگوں کے درمیان گھٹنا جما کر پوری قوت سے ضرب لگائی تھی۔ اس چوٹ نے ایکسٹو کو لڑکھڑا دیا۔ وہ الٹ کر گر گیا۔

اسی لمحے آنڈی نے سنبھل کر وار کر دیا۔ اس نے پوری قوت سے ٹھوکر ماری لیکن ایکسٹو بجلی کی سی تیزی سے الگ ہو گیا۔ آنڈی کا پاؤں زمین پر پڑا۔ چوٹ اس قدر شدید تھی کہ وہ چلا کر رہ گیا۔ اس کے



گھٹنے نے خم کھایا اور وہ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ اس دوران ایکسٹو پوری طرح سنبھل گیا تھا۔ جھکتے ہوئے آنڈی کے منہ پر اس کا گھٹنا لگا اور اس کی ناک سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ اس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اُٹھنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں وہ دوسری چوٹ کھا بیٹھا۔ ایکسٹو نے دائیں پاؤں کی ٹھوکر اس کے پیٹ میں ماری۔ آنڈی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرایا... اور پھر اس کے پیٹ میں پے درپے دو اور ٹھوکریں پڑیں... وہ بُری طرح چیختا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

حاتم نے پوری قوت سے ہاتھ مروڑنا شروع کیا تو اُسے محسوس ہوا کہ اس کا دایاں ہاتھ قدرے ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ اس نے ذرا سی جدوجہد کی اور دایاں ہاتھ آزاد کرا لیا۔ ہاتھ کے آزاد ہوتے ہی اس نے دوسرا ہاتھ بھی چھڑا لیا اور پھر پاؤں کی ڈوریاں بھی کھول لیں۔

اس نے سب سے پہلے تو لپک کر ریوالور اٹھا لیا۔ ریوالور ہاتھ میں آتے ہی وہ غرّایا۔ "ہاتھ اُٹھا لو آنڈی. ورنہ چھلنی کر دوں گا۔"

"ریوالور پھینک دو حاتم... یہ خالی ہے۔" ایکسٹو نے بھرّائے ہوئے مخصوص لہجے میں کہا.

حاتم بوکھلا کر ریوالور کو دیکھنے لگا۔

پھر اس سے نہ رہا گیا تو اس نے چیمبر کھول کر دیکھ ہی لیا۔ چیمبر خالی تھا۔ اس نے چیمبر بند کیا اور خالی ریوالور ہاتھ میں لیے کھڑا رہا۔

"دروازے کا خیال رکھو۔" ایکسٹو نے آنڈی کے جبڑے پر گھونسہ رسید کرتے ہوئے کہا۔

آنڈی لڑکھڑا کر فرش پر گر گیا۔

ایکسٹو نے ایک ٹھوکر اس کے منہ پر ماری۔ ٹھوکر اتنی شدید تھی کہ اس کے ہونٹ پھٹ گئے اور سامنے کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔

"کوئی اور حسرت بھی ہے؟" ایکسٹو غرّایا۔

"میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"... آنڈی دیوانہ وار چلّایا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں خود بھی زندگی سے تنگ آگیا ہوں۔" ایکسٹو نے بڑے ہی سفاک لہجے میں کہا اور پھر دوسری ٹھوکر جمائی۔

"میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخا۔

ایکسٹو کا قہقہہ کچھ زیادہ ہی جاندار تھا اور ساتھ ہی خوف ناک اور درندگی سے بھرپور تھی۔

آنڈی لو جی تک کانپ گیا۔ دفعتاً وہ پھرتی سے اُچھلا۔ یوں محسوس ہُوا تھا جیسے کوئی دبا ہُوا طاقتور اسپرنگ کھُل گیا ہو۔ وہ لپک کر ایک طرف دیوار سے لگے ہوئے سوئچ کے پاس پہنچا۔ ایکسٹو نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن آنڈی اس وقت تک بٹن دبا چکا تھا۔

تیز گھنٹی سے پوری عمارت گونج اُٹھی۔ گھنٹی کے بجتے ہی عمارت میں بھاگ دوڑ کے آثار محسوس ہونے لگے۔

آنڈی اور ایکسٹو ایک دوسرے سے دوبارہ اُلجھ گئے تھے اور گھونسوں اور لاتوں کا تبادلہ ہونے لگا۔

حاتم نے دروازے کی اوٹ میں خود کو چھُپا لیا۔

عین اسی وقت راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ سُنائی دینے لگی۔ وہ دروازے کی آڑ میں دُبکا انتظار کرتا رہا۔ دفعتاً کوئی اندر گھُستا ہُوا محسوس ہُوا۔ آنے والے کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔

اس سے پہلے کہ ٹامی گن کا قہقہہ کمرے میں گونجتا، حاتم نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس نے ٹامی گن تو پہلے ہی ہلے میں چھین لی اور پھر پھرتی سے پلٹ کر ٹامی گن گھمائی۔ حملہ آور ڈھیر ہو گیا۔

ٹامی گن سنبھال کر حاتم جلدی سے دروازے کی آڑ میں ہو گیا اور پھر جیسے ہی راہداری میں قدموں کی آہٹ ہوئی، اس نے ٹامی گن کا دہانہ کھول دیا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجی اور اس کے فوراً بعد ہی ایک چیخ بھی سُنائی دی۔

اس دوران ایکسٹو نے آنڈی کو پچھاڑ کر بے ہوش کر دیا تھا۔ اس نے وقت دیکھا اور بھرائی آواز میں بولا۔

"تم بہت زخمی ہو حاتم۔ لاؤ ٹامی گن مجھے دے دو۔"

"نہیں جناب میں یہاں سے خیال رکھوں گا۔"

"حاتم۔" ایکسٹو کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

حاتم سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اُس نے خاموشی سے گن اس کے حوالے کر دی اور آگے بڑھ کر آنڈی کو رسیوں سے جکڑنا شروع کر دیا۔

آنڈی کو باندھنے کے بعد اس نے ایکسٹو کی طرف دیکھا۔ ایکسٹو نے گھڑی میں وقت دیکھا اور مسکرا دیا۔ "کھیل ختم ہو گیا ہے حاتم۔" اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یس سر۔" حاتم بھی جواباً مسکرا دیا۔

عین اسی وقت باہر راہداری میں بھاری بُوٹوں کی دھمک سُنائی دی۔ حاتم نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازے سے باہر جھانکا ۔ ۔ ۔ سب سے آگے آگے عمران تھا۔ اس کے پیچھے سیکرٹ سروس کے دوسرے ممبر تھے۔ جو سب مسلح تھے۔ وہ بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ انتہائی چوکس انداز میں ۔ ۔ ۔

عمران کے ہاتھ میں بھونپو تھا اس نے اسے مُنہ سے لگا کر چیخنا شروع کر دیا۔ "تم جو لوگ اندر ہو۔ فوراً ہاتھ اُٹھا کر باہر نکل آؤ۔ ورنہ سب کو شوٹ کر دوں گا۔"

عمران کی آواز سُنتے ہی ایکسٹو دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کو دیکھ کر لمحے بھر کے لیے عمران ٹھٹکا اور پھر مسکرا دیا۔ "ہیلو سر۔ آل از اوور؟"

"یس عمران۔ آل از اوور۔" ایکسٹو نے بھرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

فوراً ہی سیکرٹ سروس کے تمام ممبر اندر گھس گئے اور انھوں نے بے ہوش آنڈی کو اُٹھا لیا۔ وہ اُسے لے کر باہر آ گئے۔

دفعتاً آنڈی ہوش میں آ گیا۔ اس نے صورتحال کا جائزہ لیا اور چیخنے لگا۔ "تم لوگ کون ہو۔ اور کیا چاہتے ہو؟"

"ہائیں۔ بھائی ہم پردیسی ہیں اور تمھیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔" عمران نے ہانک لگائی۔ انداز اس قدر احمقانہ تھا کہ سبھی ہنس پڑے۔

"آنڈی کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔" آنڈی غرایا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو فرزند۔ آنڈی کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا کیونکہ اس نام کی کسی شخصیت کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب۔؟" آنڈی چونک پڑا۔

"مطلب یہ کہ تم آنڈی نہیں۔ رابرٹ ہو۔ قطر اظ کے قیدی ۔ ۔ ۔ وہ مشہورِ عالم شخصیت جس کی عالمی پولیس کو بھی تلاش ہے۔" عمران نے قہقہہ

لگا کر کہا۔
"کیا مطلب۔ تم کیسے جانتے ہو" وہ چونک کر غرایا۔
"مطلب یہ پیارے رابرٹ کہ اب جدوجہد ترک کر دو۔ تمھارے ایک ایک گرگے کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور تمھارے سر رحمان روزِ اوّل ہی سے ہمارے ہیڈ کوارٹر میں موجود ہیں۔"
رابرٹ نے چیخنا چلّانا شروع کر دیا۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک حواس برقرار نہ رکھ سکا اور بے ہوش ہو گیا۔
ایکسٹو نے دیگر ماتحتوں کو کچھ احکامات دیے اور پُر وقار انداز میں چلتا ہُوا عمارت سے باہر نکل گیا۔



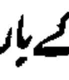
"تم لوگ اس کیس کی تفصیلات سننے کے لیے بے چین ہو گے۔" ایکسٹو کی مخصوص بھرّائی ہوئی آواز مائیک پر سُنائی دی۔
"جی ہاں۔" جولیا نے بے تابی سے کہا پھر اس نے دانش منزل کے ساؤنڈ پروف کمرے میں بیٹھے ہوئے سیکرٹ سروس کے تمام ممبروں کی طرف دیکھا۔
"کیا سب لوگ آ گئے ہیں؟"
"جی ہاں۔ سبھی موجود ہیں۔" جولیا نے جواب دیا۔
"دراصل اس قصّے کا آغاز حاتم علی سے ہوتا ہے ایک شام حاتم کی نگاہ ذی ڈیما پر پڑ گئی۔ وہ جیگر کے ساحلی بار میں داخل ہو رہا تھا۔ حاتم اس کی صورت سے یہ تو پہچان گیا کہ وہ ایک ایسا مشتبہ شخص ہے جس کی پولیس کو عرصے سے تلاش تھی لیکن وہ اس بات کا درست اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ کون ہے۔ اس نے ذی ڈیما کی تصویر کسی اخبار میں دیکھی تھی اور وہی اس کے ذہن میں محفوظ رہ گئی۔۔۔
"اس نے ذی ڈیما کو دیکھا اور اس کے تعاقب میں جیگر کے بار میں جا گھسا لیکن ذی ڈیما کچھ ایسا غائب ہُوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔۔۔
"حاتم نے مجھے اس بات کی خبر نہیں کی اور خود ہی اس کے پیچھے لگا رہا لیکن وہ اُسے تلاش نہیں کر سکا۔ اُسے یہ شبہہ ہو گیا کہ جیگر کے شراب خانے کے نیچے کوئی خفیہ قمار خانہ بھی موجود ہے۔ اس نے ایک

فوج میں چالیس سال خدمات انجام دینے کے بعد جب کرنل ریٹائر ہُوا تو اس کے ساتھ اس کا اردلی بھی تھا۔ اس نے اردلی کو ہدایات جاری کیں "ہر صبح پانچ بجے تم مجھے اُٹھا کر کہا کرو۔ 'پریڈ کا وقت ہو گیا ہے جناب!' میں جواب دیا کروں گا 'جہنم میں جھونکو پریڈ کو!' یہ جواب سُن کر تم واپس جا کر سو جایا کرو گے۔"




























بدمعاش کا رُوپ دھارا اور مستقلاً جیگر کے بار میں ڈیرا ڈال دیا۔۔۔
"اس دوران دارالحکومت ہنگاموں کا مرکز بن گیا۔ پے در پے اہم شخصیتوں کا خاتمہ ہونا شروع ہو گیا۔ پولیس بوکھلا گئی۔ اس سے پیشتر آندی لوجی نامی ہُوا عوام اور پولیس کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ اس کی خوفناک وارداتوں کی آڑ میں بہت ہی زبردست قسم کے جرائم کیے گئے جن سے خوف و ہراس پھیل گیا۔ پولیس اس فرضی آندی لوجی کو تلاش کرتی رہی اور مجرم بڑے ہی سائنٹیفک انداز میں جرائم کرتا رہا۔
۔۔۔۔ ادھر حاتم علی نے جیگر کو اپنے اثر میں لے کر جیگر کے خفیہ اڈّے تک رسائی حاصل کر لی۔ اس کے بعد اس پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ جیگر کی بجائے کوئی اور باس ہے اور اس کی شخصیت پسِ پردہ ہے۔۔۔
"اس دوران حاتم نے مجھے اطلاع دی میں نے اُسے وہیں جمے رہنے کا حکم دیا اور وہ خوش اسلوبی سے کام سر انجام دیتا رہا لیکن گروہ کو اس پر اعتماد نہیں تھا۔ انھوں نے پہلے تو شلیف ترد واکر اس کے خلاف بلیک میلنگ کا مواد جمع کیا۔ پھر ایک سکّے کی وجہ سے وہ گفتگو بھی سن لی جو حاتم اور میرے درمیان فون پر ہُوئی تھی۔ اس دوران سر رحمان کے قتل کی خبر موصول ہُوئی۔۔۔

"عمران نے سر رحمان کی لاش دیکھ کر سمجھ لیا کہ حبسِ دم کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ اس نے اس بات کی اطلاع مجھے دی۔ میں صفدر کو موقع واردات کی نگرانی پر مامور کیا لیکن خود سر رحمان کی لاش کی جگہ لے لی۔ یہ کام اس قدر رازداری سے ہوا تھا کہ مجرموں کے کانوں تک اس کی بھنک تک نہیں پہنچ سکی۔ یہی وہ موقع تھا جس سے کیس کا آغاز ہوتا ہے...

"میں سر رحمان کی لاش کی جگہ لاش گھر تک پہنچا دیا گیا۔ اس دوران یہ بات ہمیں محسوس ہوئی تھی کہ مجرم اس لاش کو اغوا کرنے کے چکر میں ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگا لیا گیا کہ وہ لاش کو پوسٹ مارٹم سے بچانا چاہتے ہیں۔ .... ہم نے پولیس کا پہرہ سخت کر دیا۔ جس کی وجہ سے ان کا پہلا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ دوسری کوشش انھوں نے لاش گھر سے لاش کو غائب کرنے کی کی۔ اس کی اطلاع حاتم علی سے مل گئی...

"اس اطلاع کے بعد آپ لوگوں نے گھیرا ڈالا لیکن عمران نے کچھ ایسی ہوشیاری کا ثبوت دیا کہ صرف ڈی ڈیما ہی مارا گیا۔ باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اور یہ پلان بھی محض اس لیے تھا کہ مجھے نکل جانے دیا جائے اور میں اڈے تک پہنچ گیا...

"وہاں جا کر معلوم ہوا کہ سر رحمان اور رابرٹ ایک عرصے سے انسانی جسم پر تجربات کرتے رہے ہیں لیکن رابرٹ نے اس دوران اپنی اس شخصیت کو مخفی رکھا۔ ڈی ڈیما کی موت کے بعد اس نے سر رحمان کو سیاہ پوش باس بنا دیا اور خود گروہ کا معمولی رکن بنا رہا۔ اسی وجہ سے اس نے حاتم کو بھی ٹریس کر لیا...

"حاتم کو میرے سامنے لایا گیا۔ مجبوراً مجھے اس پر وہ تمام مظالم ڈھانے پڑے جو میری جگہ دوسرا آدمی ڈھا سکتا تھا۔ میں نے اسے آدم خور چیونٹیوں والے کمرے میں قید کر دیا لیکن اس دوران میں یہ دیکھ چکا تھا کہ جیگر اسے بیٹے کی طرح چاہنے لگا ہے۔ میں نے کسی ذریعے سے اسے خبر کر دی۔ نتیجتاً وہ معاملہ میں کود پڑا۔ وہ خود تو مر گیا لیکن حاتم کی زندگی بچ گئی...

"معاملہ بہت پہلے ہی ختم ہو جاتا لیکن پیشِ نظر وہ مقصد تھا جس کے تحت یہ سارا کھڑاگ پھیلایا گیا تھا۔ میں نے جلد ہی وہ لیبارٹری دیکھ لی جہاں انسانی لاشوں پر ریسرچ ہو رہی تھی...

ادھر سر رحمان کو ہوش میں لا کر اس سے باز پرس کی جا رہی تھی اور آخر تنگ آکر اس نے سب کچھ اگل دیا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ آنڈی لوچی نامی شخصیت کے پردے میں رابرٹ ہے۔ رابرٹ کے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ اگر نہیں تو تفصیلات عمران سے دریافت کر لیجیے گا۔ بہر طور اسے قطراط کا قیدی کہا جاتا ہے اور اس نام سے وہ پوری دُنیا میں مشہور ہے...

"آخری دنوں میں ایک دراز قد عورت شہر میں دکھائی دی۔ اس کی تفصیلات آپ کو عمران بتا دے گا۔ بہر طور وہ ایک سائنسی شعبدہ تھا اور اس شعبدے کو آپ مندر کیر والے کیس میں دیکھ ہی چکے ہیں۔ عورت کو دیکھ کر عمران کا شبہ کچھ اور پختہ ہو گیا۔

... اُدھر میں آنڈی لوچی کے رُوپ میں رابرٹ کو تلاش کر رہا تھا۔ وہ واقعی ایک ذہین مجرم ہے۔ اس نے آنڈی لوچی کے رُوپ کو نبھانے کے لیے ایک خفیہ آدمی بھی پال رکھا تھا جس کی تلاش میں مجھے خاصی دیر لگی۔ میں معاملے کو محض اس لیے بھی ڈھیل دیتا جا رہا تھا کہ اس طرح مجرم اپنی تمام تر سرگرمیوں سمیت سامنے آجاتا اور اس کے جرائم یا منصوبوں کا ایک بھی پہلو تشنہ نہیں رہ جاتا۔

... اُدھر عمران نے فیاض کے ہاں پُرانی فائلیں دیکھ کر یہ معلوم کر لیا کہ سر رحمان اور رابرٹ میں زبردست مشابہت ہے لیکن یہ مشابہت صرف آنکھوں تک ہی محدود تھی۔ بعد میں اس خیال کو بدلنا بدلنا پڑا...

"اب آپ کو ایک حیرت انگیز خبر سُناؤں... رابرٹ درحقیقت آنڈی کے رُوپ میں گرفتار ہونے والا شخص نہیں ہے۔ وہ سر رحمان کے روپ میں تھا۔ میرا مطلب ہے سر رحمان کو آج سے تین سال پہلے ہی قتل کر دیا گیا تھا اور اس کی جگہ رابرٹ لے چکا تھا . . . سر رحمان نے ایک اہم ایجاد پیش

کرنے کا اعلان کیا تھا وہ اعلان اسی ایجاد کے بارے میں تھا جسے عمران وغیرہ نے اس دیو قامت عورت کے رُوپ میں دیکھا تھا۔ اگر رابرٹ سر رحمان کے بہروپ میں اس ایجاد کو سامنے نہ لاتا تو اس کی شخصیت مشکوک ہو جاتی۔ لہٰذا اس نے سر رحمان کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ میرا مطلب ہے اس نے اس بہروپ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے بہروپ کو اپنایا ہی کیوں تھا تو اس کی توجیہہ یہ ہے کہ وہ اس اعلان سے بے خبر تھا دوسرے دُنیا کے چپّے چپّے پر اس کی تلاش جاری ہے . . .

"سر رحمان کی آڑ میں وہ ایک مستحکم پوزیشن کا مالک بن گیا۔ اتفاق سے وہ جس تجربے پر کام کر رہا تھا، سر رحمان بھی اسی پر ریسرچ کر رہے تھے۔ اس طرح اسے خاصی مدد ملی۔ اس کا سالوں کا کام دنوں میں نپٹ گیا۔ اب آپ کوئی سوال کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں؟" ایکسٹو نے دھیمے لیکن مخصوص بھرّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جناب۔ میں اس ٹرانسمیٹر نما آلے کے بارے میں دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ جس کے ذریعے صفدر کے جسم میں سبز رنگ کا سیّال داخل کیا گیا تھا"

"اُسے تم ایک طرح کا پریشر کہہ سکتی ہو۔ اس کا پورا نظام ایک ڈرائی بیٹری کے ذریعے کام کرتا ہے۔ وہ سیّال بھی رابرٹ ہی کی ایجاد ہے . . .

"اس سیّال کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر وہ مقررہ مقدار میں انسانی جسم کے اندر داخل ہوتا رہے تو اُسے ذہن نشین کرائی گئی باتوں پر عمل کروانا آسان ہو جاتا ہے۔ یعنی آپ اُسے ایک طرح کا ہپناٹائزنگ اسٹف کہہ سکتے ہیں لیکن جیسے ہی اس سیّال کا سلسلہ منقطع ہوتا ہے آدمی ہوش میں آجاتا ہے۔ ہماری جدید تحقیق سے ایک اہم انکشاف ہُوا ہے . . . کہ اگر اس سیّال کا آخری قطرہ بھی انسانی جسم میں داخل ہو جائے تو اس کے بعد وہ نشے کی حالت طاری کر دیتا ہے اور اپنے زہریلے اثرات کے تحت موت کا پیغام بھی لا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے میں ضروری باتوں پر روشنی ڈال چکا ہوں اگر پھر بھی کوئی چیز تشنہ رہ گئی ہو تو عمران آپ کی راہنمائی کر دے گا۔ اوور اینڈ آل"

وہ سب عمران کے پیچھے پڑ گئے۔

"خاموش۔ خاموش" عمران نے ہاتھ لہرا کر کہا۔

"قصہ اس درویش کا یہ ہے کہ ایک دن میری دُم گر گئی اور اس دُم کو چُرانے والا اس محفل میں موجود ہے"

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گا" تنویر غرایا۔

"ہائیں۔ اب دیکھ لیجیے، منہ کے پیچھے پڑ گیا ہے" عمران کراہا۔

"میں پوچھتا ہوں تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟" تنویر غرّا کر اُٹھا اور اس نے آستین چڑھا کر عمران کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔ "یہ تو تم جولیا سے معلوم کر سکتے ہو پیارے"

"یہ تو تم جولیا سے معلوم کر سکتے ہو، پیارے"

"میرا نام لینے کی ضرورت نہیں" جولیا غرائی۔

"اس دور میں بیویوں کا نام لینا بھی گناہ ہے۔ سُنا ہے پرانے زمانے میں بیویاں اپنے شوہروں کا نام لیتی تھیں تو نکاح ٹوٹ جاتا تھا"

جولیا نے سینڈل اتارا اور عمران کی طرف جھپٹی۔ عین اسی وقت تنویر بھی عمران کی طرف لپکا تھا۔ عمران تو الگ ہٹ گیا اور تنویر کی کھوپڑی کھل گئی۔ ایڑی اس کی کھوپڑی پر بیٹھی اور اندر دھنس گئی۔

تنویر کے سر سے خون کا فوارہ سا بہہ نکلا اور عمران ارے باپ رے کا نعرہ بلند کرتا ہوا باہر کی طرف لپکا۔

سیکرٹ سروس کے تمام ممبران تنویر کو سنبھالنے میں لگ گئے۔ تنویر بری طرح مغلظات بک رہا تھا۔

لیکن عمران وہاں کہاں تھا۔ وہ تو اپنی فیاٹ پر بیٹھا ہَوا کے دوش پر سوار اُڑا چلا جا رہا تھا۔

